عمیرہ احمد

آب حیات کی کہانی تاش کے تیرہ پتوں میں چھپی ہوئی ہے۔

2۔ ایک خوب صورت اتفاق نے امامہ اور سالار کو یکجا کردیا ہے۔ سالار نے امامہ کو ایرِ رنگز دیے ہیں۔ وہ بالکل ویسے ہی ہیں، جیسے امامہ شادی سے قبل پہنتی تھی اور جو اسے اس کے والد ہاشم نے دیے تھے۔ سکندر عثمان نے اس شادی کو کھلے دل سے قبول کیا۔

9۔ سی آئی اے ہیڈ کوارٹر کے ایک کمرے میں چار اشخاص گزشتہ ڈیڑھ ماہ سے ایک پروجیکٹ پر کام کر رہے ہیں۔ انہیں ایک شخص بلکہ اس کی پوری فیملی کے تمام بیرونی معاملات اور ذاتی زندگی کی تمام تر تمکمل معلومات حاصل ہیں اور انہیں اس میں سے کسی ایسے پوائنٹ کی ضرورت ہے۔ جس کی بنیاد پر وہ اس شخص پر ہاتھ ڈال سکیں۔ لیکن اس شخص سمیت اس کی فیملی کے نہایت شفاف ریکارڈ سے اب تک کوئی مشکوک بات نہیں نکال سکے مگر آخری پندرہ منٹ میں انہیں اس فیملی کی کسی لڑکی کی تاریخ پیدائش کے حوالے سے کوئی سرال جاتا ہے۔

ک۔ وہ کئی راتوں سے تکلیف میں تھی۔ سکون آور ادویات کے بغیر سو نہیں پا رہی تھی۔ وہ اپنے باپ سے بس ایک سولا

کرنے آئی تھی کہ اس نے اس کی فیملی کو کیوں مار ڈالا۔

6۔ اسپیلنگ بی کے بانوے مقابلے کے فائنل میں تیرہ سالہ اور نو سالہ دو بچے چودھویں راؤنڈ میں ہیں۔ تیرہ سالہ بینسی نے نو حرفوں کے لفظ کا ایک صرف غلط بتایا۔ اس کے بعد نو سالہ ایک خود اعتماد بچے نے گیارہ حرفوں کے لفظ کی درست اسپیلنگ بتادیں۔ ایک اضافی لفظ کے درست ہجے بتانے پر وہ مقابلہ جیت سکتا تھا۔ جسے غلط بتانے کی صورت میں تیرہ سالہ بچی دوبارہ فائنل میں آجاتی۔ وہ اضافی لفظ سن کر اس خود اعتماد مطمئن اور ذہین بچے کے چہرے پر پریشانی پھیلی، جسے دیکھ کر اس کے والدین اور ہال کے دیگر مہمان بے چین ہوئے مگر اس کی یہ کیفیت دیکھ کر اس کی سات سالہ بہن مسکرادی۔

A۔ وہ جانتی تھی کہ وہ بددیانتی کر رہی ہے مگر پھر بھی اس نے اس کتاب کے پہلے باب میں تبدیلی کردی اور ترمیم شدہ باب کا پرنٹ نکال کر دیگر ابواب کے ساتھ فائل میں رکھ دیا۔

7۔ وہ دونوں ایک ہوٹل کے بار میں تھے۔ لڑکی نے اسے ڈرنک کی آفر کی مگر مرد نے انکار کردیا اور سگریٹ پینے لگا۔ لڑکی نے پھر ڈانس کی آفر کی ،اس نے اس بھی انکار کردیا۔ وہ لڑکی اس مرد سے متاثر ہو رہی تھی۔ وہ اسے رات ساتھ گزارنے کے بارے میں کہتی ہے۔ اب کے وہ انکار نہیں کرتا۔

4۔ وہ اپنے شوہر سے ناراض ہو کر اسے چھوڑ آئی ہے۔ ایک بوڑھی عورت کے سوال و جواب نے اسے سوچنے پر مجبور کردیا ہے۔ اب وہ خود اپنے اس اقدام سے غیر مطمئن اور ملول نظر آتی ہے۔

سترہویں قسط

ابدا"ابدا"

" w-e-i-s-s-n-i-c-h-t-w-o " حمین سکندر نے ایک ہی سانس میں رکے بغیر Championship word کے ہجے کیے ... کسی روبوٹ کی طرح ہنار کے۔ خلا میں دیکھتے ہوئے۔ یوں جیسے وہ ان حروف کو خلا میں کہیں لکھا دیکھتے ہوئے پڑھ رہا تھا۔ وہ اس مقابلے کا پہلا لفظ تھا جسے اس نے ہنار کے اس طرح ادا کیا تھا ورنہ وہ ہر لفظ کو سوچ سوچ کر ہجے کرتا تھا یوں جیسے ناپ تول رہا ہو۔

" An unknown place "(ایک نامعلوم مقام) اس نے لفظ کے ہجے کرتے ہی اسی رفتار سے اس کا مطلب بتایا۔ پھر اس کی نظریں pronouncer پر ٹکیں... pronouncer کے منہ سے نکلی "درست" کی آواز ہال میں گونج اٹھنے والی تالیوں کی آواز میں گم ہو گئی تھی۔ ہال میں اب حاضرین، والدین اور بچے اپنی اپنی سیٹوں سے تالیاں بجاتے ہوئے کھڑے ہو رہے تھے۔ وہ 92nd اسپیلنگ بی کے نئے فاتح کو خراج تحسین پیش کر رہے تھے جو اسٹیج پر فلیش لائٹس اور ٹی وی کیمروں کی چکاچوند کر دینے والی روشنیوں میں ساکت کھڑا تھا۔ دم سادھے... گنگ... اس کی گول آنکھیں گھومنا تک بھول گئی تھیں... یوں جیسے وہ ابھی تک اس شاک سے نکل نہ پایا ہو کہ وہ جیت چکا ہے۔ یہ حمین سکندر تھا اور یہ حمین سکندر ہی ہو سکتا تھا۔

تالیوں کی بہرا کر دینے والی گونج اور کیمروں کی خیرہ کر دینے والی روشنیوں میں اس نو سالہ بچے نے خود کو سنبھالا... اپنے اعصاب اور حواس پر ایک ہی وقت میں قابو پانے کی کوشش کی اور پھر جو پہلا جملہ اس کے سامنے لگے مائیک نے حاضرین تک پہنچایا تھا اس نے ان تالیوں کی گونج میں ایک بلند شگاف قہقہے کی آواز کو بھی شامل کیا تھا۔

"اوہ! مائی گاڈ۔" وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں بول سکا... حاضرین کی ہنسی نے جیسے اسے کچھ اور نروس کیا... پھر نادم... پھر پرجوش اور پھر اس نے سر جھکا کر حاضرین کی تالیوں کا جواب دیا... پھر ایک قدم آگے بڑھا کر ججز کی اس قطار کا، جو حاضرین سے کچھ آگے بیٹھے ہوئے تھے لیکن اب کھڑے تالیاں بجا رہے تھے، پھر اس نے پلٹ کر اس طرف دیکھا تھا جہاں اس کے ماں باپ اور رئیسہ بیٹھے تھے۔ وہ بھی اب سب کے ساتھ کھڑے اس کے لیے تالیاں بجا رہے تھے۔

حمین سکندر تقریباً" بھاگتا ہوا ان کی طرف گیا تھا اور اس کے ساتھ ہی وہ سپاٹ لائٹ بھی گئی جو اس سے پہلے اسٹیج پر اس کو فوکس کیے ہوئے تھی۔ وہ ________ تالیاں بجاتی اور آنسو بہاتی امامہ سے آکر لپٹا تھا۔ پھر اس سے الگ ہوتے ہوئے اس نے اسی تیزی سے امامہ کے گالوں پر بہتے ہوئے آنسو دونوں ہاتھوں سے رگڑے پھر ان ہاتھوں کو اپنی شرٹ پر رگڑتے ہوئے وہ سالار سے لپٹ گیا۔ " I make you proud Did "(کیا آپ کو مجھ پر فخر ہوا۔) اس نے ہمیشہ کی طرح باپ سے پوچھا۔

" Very proud "(بہت فخر) اس نے اسے تھپکتے ہوئے کہا۔

اس کی آنکھیں چمکیں... مسکراہٹ گہری ہوئی... پھر وہ رئیسہ کی طرف گیا۔ دونوں ہتھیلیاں پھیلاتے ہوئے اس نے بازو ہوا میں بلند کرتے ہوئے رئیسہ کے پھیلائے ہوئے ہاتھوں پر ہائی فائی کیا... اپنے گلے میں لٹکا نمبر کارڈ اتار کر اس نے رئیسہ کے گلے میں ڈالا... پھر جھک کر اسے تھوڑا سا اٹھایا... وہ کھلکھلائی... حمین نے اسے نیچے اتارا اور اسی طرح بھاگتا ہوا واپس اسٹیج کے درمیان چلا گیا جہاں میزبان اب اس سے پھر بات چیت کرنے کے لیے منتظر کھڑا تھا۔

"آخری لفظ کتنا مشکل تھا؟" ابتدائی کلمات کے بعد میزبان نے چھوٹتے ہی اس سے پوچھا۔ وہ چند سیکنڈز پہلے سب فائنلسٹ سے ہاتھ ملاتے، ان کی مبارک بادیں وصول کرتے ہوئے اس کے پاس پہنچا تھا۔ ہال میں موجود

سب لوگ اب دوبارہ نشستیں سنبھال چکے تھے اور تقسیم انعامات کی تقریب دیکھنے کے منتظر تھے۔
"آخری لفظ تو بے حد آسان تھا۔" حمین نے بڑے اطمینان سے کندھے اچکا کر کہا۔ہال میں قہقہہ گونجا۔
"تو پھر مشکل کیا تھا؟" میزبان نے چھیڑ چھاڑ والے انداز میں کہا۔
"اس سے پہلے پوچھے جانے والے سارے الفاظ۔" حمین نے بے حد سنجیدگی سے ترکی بہ ترکی کہا۔ہال میں پہلے سے زیادہ اونچا قہقہہ بلند ہوا۔
"کیوں؟"
"کیوں کہ میں ہر لفظ بھول گیا تھا۔بس تکے لگاتا رہا' ہر لفظ کے ہجے کرنے کے لیے۔۔۔ بس آخری لفظ تھا جو میں آنکھیں' کان' ناک سب بند کر کے بھی ہجے کر سکتا تھا۔"
وہ روانی سے کہتا گیا ہال میں تالیاں اور قہقہے لگتے رہے۔۔۔ وہ اس بچے کی حاضر جوابی' خوش مزاجی اور بذلہ سنجی کی داد دیتے ہوئے محظوظ ہو رہے تھے' لیکن اس کی بات پر یقین نہیں کر رہے تھے۔۔۔ ہال میں بیٹھی ہوئی صرف رئیسہ تھی جو یہ جانتی تھی کہ وہ حرف بہ حرف ٹھیک کہہ رہا ہے۔اسے آخری لفظ کے علاوہ واقعی سارے لفظ بھولے تھے اور وہ اس کے تاثرات دیکھ کر ہی یہ جان جاتی تھی کہ وہ ایک بار پھر اپنا لفظ ہجے کرنا بھول گیا تھا اور پھر اپنی کرسی پر بیٹھی وہ اپنی انگلیوں کی پوروں پر اس کے لیے دل ہی دل میں دعا کرنا شروع کر دیتی۔
"اور آخری لفظ اتنا آسان کیوں لگا تھا آپ کو۔" میزبان نے پھر پوچھا۔
ایک ہاتھ اپنے سینے پر رکھے دوسرے ہاتھ سے رئیسہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حمین نے بڑے فخریہ انداز میں کہا۔"کیونکہ میں اور میری بہن weissnichtwo (نامعلوم مقام) سے آئے ہیں۔" ہال ایک بار پھر تالیوں اور قہقہوں سے گونج اٹھا تھا۔ہال میں لگی اسکرین پر گلاسز لگائے شرماتی ہوئی رئیسہ ابھری تھی' جس کے اطراف میں بیٹھے امامہ اور سالار بھی اس کی بات پر ہنس پڑے تھے۔
حمین نے جو کہا تھا' وہ بالکل ٹھیک تھا۔ وہ دونوں پچھلے کئی ہفتوں سے اس ایک لفظ کا استعمال اپنے لیے اتنا باقاعدگی سے کر رہے تھے کہ یہ ان کی روزمرہ کی گفتگو کا حصہ بن گیا تھا۔
رئیسہ اور حمین یہ سمجھتے تھے کہ وہ دونوں کسی نامعلوم تصوراتی دنیا سے آئے تھے۔جو صرف ان دونوں کو پتا تھی' ان دونوں کو نظر آتی تھی' کسی دوسرے کو نہیں۔وہ دونوں (انوکھے) ـــــ تھے اور یہ ان دونوں کا ذاتی خیال تھا۔یہ پچھلے کچھ ہفتوں میں پائی جانے والی ان دونوں کی نئی فینٹسی کا نام تھا اور یہ کیسے ممکن تھا کہ حمین سکندر اپنی اس فینٹسی کا نام بھول جاتا جو یک دم اس کے سامنے حقیقت بن کر آگئی تھی۔
رئیسہ فخریہ انداز میں اپنے اس پارٹنر کو دیکھ رہی تھی جو اس کی طرح weissnchtwo سے آیا تھا اور اس لفظ کو واقعی آنکھیں' کان ناک بند کیے بھی دہرا سکتا تھا۔ pronouncer کے منہ سے اس ایک لفظ کو سنتے ہی وہ جان گئی تھی کہ وہ چیمپئن شپ اس سال حمین سکندر کے نام ہونے والی ہے بالکل اس طرح جس طرح وہ پچھلے دو سال عنایہ اور جبریل کے نام رہی تھی ۔ان دونوں نے بھی حمین کی طرح پہلی بار شریک ہو کر اس چیمپئن شپ کو اپنے نام کر لیا تھا۔
spelling Bee کی وہ ایکٹوٹی امامہ نے اپنے گھر میں رئیسہ کے لیے اسٹارٹ کی تھی۔۔۔ اس کی زبان سیکھنے کی صلاحیت (linguistic skcills) کو بہتر کرنے کے لیے۔۔۔ نئے لفظ سیکھنا۔۔۔ ان کے ہجے کرنا۔۔۔ انہیں درست تلفظ کے ساتھ بولنا سکھانا۔۔۔ ان کا مفہوم اور پھر روزمرہ کی گفتگو میں ان کا استعمال۔۔۔ وہ ایکٹوٹی بڑھتے بڑھتے ان کے لیے ایکٹوٹی نہیں' روٹین کا ایک حصہ بن گئی تھی اور اس روٹین کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ ان چاروں بچوں کا (ذخیرہ الفاظ) vocabulary اپنی عمر کے بچوں سے بہت زیادہ اور بہت اچھا تھا۔۔۔ مقابلوں میں حصہ لینے کا

خیال بھی انہیں کبھی نہ آتا اگر وہ اپنی vocabulary کی وجہ سے پہلے ہی اپنے اسکول میں نمایاں نہ ہوتے۔
حمین کی گفتگو کے دوران جو وہ اپنی تیاری' پریکٹس کی روٹین کے حوالے سے کررہا تھا' کیمرہ بار بار امامہ اور سالار کو ہال میں لگی بڑی اسکرین پر دکھا رہا تھا۔ کیونکہ وہ اس چیمپئن کے والدین تھے جو اس وقت سینٹر اسٹیج پر تھا۔۔۔ ان کے آس پاس بیٹھے دوسرے مقابلے میں حصہ لینے والے بچوں کے والدین وقتاً''فوقتاً''ان سے آکر مل رہے تھے۔۔۔ وہ مبارک بادیں وصول کررہے تھے۔۔۔ بے حد پرسکون انداز میں' دھیمی مسکراہٹوں کے ساتھ۔۔۔ یوں جیسے یہ سب کچھ معمول کی بات ہو' عام بات ہو۔۔۔ اور واقعی یہ سب ان کے لیے عام سی بات تھی۔۔۔ ان کی لائق اولاد نے ان کے لیے یہ سب ''عام سی بات'' ہی کردیا تھا۔
زندگی میں اب تک ان سب کی وجہ سے ان دونوں کی زندگی میں ایسے بہت سے فخر کے لمحات آئے تھے۔۔۔ ایسے لمحات جن کی یادوں کو وہ ساری عمر عزیز رکھ سکتے تھے۔
''ممی اگلے سال میں حصہ لوں گی۔۔۔'' ان کے درمیان بیٹھی ہوئی رئیسہ نے اپنے گلے میں لٹکے' حمین کے کارڈ کو ہلاتے ہوئے سرگوشیوں میں امامہ کو اطلاع دی۔۔۔ امامہ نے اسے تھپکا جیسے تسلی دے کر ہامی بھر رہی ہو۔
اسٹیج پر اب حمین کو ٹرافی دی جارہی تھی۔۔۔ تالیوں' سیٹیوں' فلیش لائٹس کی چکا چوند اور میوزک کی گونج میں۔۔۔ حاضرین ایک بار پھر کھڑے ہو کر تالیاں بجاتے ہوئے داد دے رہے تھے اور وہاں سے کئی کلو میٹر دور واشنگٹن کے ایک قدرے نواحی علاقے کے ایک گھر میں بیٹھے جبریل اور عنایہ ٹی وی پر اس پروگرام کی لائیو کوریج دیکھتے ہوئے اسی خوشی اور جوش کا حصہ بنے ہوئے تھے جو اسکرین پر انہیں اس ہال میں نظر آرہا تھا۔ عنایہ تھوڑی دیر پہلے اپنے ٹیسٹ کی تیاری ختم کرکے بیٹھی تھی' جس کی وجہ سے وہ امامہ اور سالار کے ساتھ نہیں جاسکی تھی اور جبریل اس کے لیے پیچھے رک گیا تھا۔۔۔ وہ ٹیسٹ کی تیاری کرتے ہوئے بھی بار بار اپنے کمرے سے نکل کر ٹی وی لاؤنج میں آکر ٹی وی پر صرف حمین سے پوچھا جانے والا لفظ سنتی۔۔۔ وہ اور جبریل میکانیکی انداز میں بیک وقت اس لفظ کے ہجے کرتے اس سے پہلے کہ حمین اس کے ہجے کرتا پھر وہ بے یقینی سے اپنے چھوٹے بھائی کی وہ ہنسی دیکھتے جو اس لفظ کے ردعمل میں آتی اور پھر وہ اسے کوشش کرتے ہوئے دیکھتے' اس لفظ کو spell کرنے کے لیے کہ اور ہر صحیح آخری حرف پر ان دونوں کے سینوں سے بیک وقت سانس خارج ہوتا یوں جیسے جان میں جان آگئی ہو اور اس کے بعد عنایہ ایک بار پھر ٹی وی لاؤنج سے غائب ہوجاتی۔
اور اب جبکہ اس تیسری ٹرافی کا ان کے گھر ہی آنے کا فیصلہ ہوگیا تھا تو وہ دونوں بے حد خوش تھے۔۔۔ ان سب کے درمیان مقابلہ ہوتا تھا۔ حسد اور رقابت نہیں' یہ خاصیت ان چاروں میں ہی نہیں تھی۔
ٹی وی دیکھتے ہوئے گھنٹی کی آواز سنائی دی۔ جبریل اس وقت اپنے لیے ملک شیک بنانے میں مصروف تھا۔۔۔ عنایہ اس کے دروازے کی طرف جانے کے بجائے خود دروازے پر چلی گئی۔ کی ہول سے اس نے باہر جھانکا۔۔۔ وہاں گیارہ سالہ ایرک کھڑا تھا۔۔۔ عنایہ چند لمحوں کے لیے وہیں کھڑی رہی۔۔۔ الجھن کا شکار۔۔۔ وہ اس کا کلاس فیلو تھا۔ ان کا ہمسایہ تھا۔۔۔ اس کے والدین ان کے فیملی فرینڈز تھے۔۔۔ جبریل گھر پر نہ ہوتا تو وہ دروازہ کبھی نہ کھولتی۔ یہ اس کے ماں باپ کی ان سب کے لیے' اکیلے گھر پر ہونے کی صورت میں ہدایات تھیں' مگر اس وقت اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ دروازہ کھولے یا نہ کھولے۔۔۔ وہ باہر کی ہول پر نظریں جمائے یوں کھڑا تھا جیسے اس سوراخ میں سے یہ دیکھ پارہا ہو کہ اسے اندر سے دیکھا جارہا تھا اور دیکھنے والا کون تھا' یہ بھی۔
''باہر کون ہے؟'' وہ جبریل تھا جو اچانک ہی وہاں آگیا تھا۔ وہ ہڑبڑا کر پلٹی پھر اس نے کہا۔
''ایرک۔'' دونوں بہن بھائی ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔۔۔ بے مقصد اور کسی بھی وقت دوستوں یا جاننے والوں کو گھر نہیں بلا سکتے تھے' لیکن۔۔۔ ایرک کے لیے ان سب کے دل میں ہمدردی تھی۔

"اچھا آنے دو' شاید اسے بھی ٹیسٹ کا کچھ پوچھنا ہو۔" جبریل نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ دونوں ہاتھ اپنی جینز کی جیبوں میں ڈالے ایرک نے دروازہ کھلنے پر اپنے امریکن لب و لہجے میں ہمیشہ کی طرح بمشکل انہیں السلام علیکم کہا جسے وہ ہمیشہ ہی کی طرح بمشکل سمجھے۔
"مبارک ہو۔" ایرک نے وہیں کھڑے کھڑے جبریل کے پیچھے جھانکتی عنایہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔
"تھینک یو۔" جبریل نے بھی اتنا ہی مختصر جواب دیا۔ وہ بات کرتے ہوئے دروازے کے سامنے سے ہٹ گئے۔ ایرک اسی طرح جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اندر آگیا۔
"تم نے ٹیسٹ کی تیاری کرلی؟" عنایہ اس سے پوچھے بغیر نہیں رہ سکی۔
"نہیں۔" وہ چلتے ہوئے لاؤنج میں آگیا۔ ٹی وی پر وہ اب ایک بار پھر اسی پروگرام کی لائیو کوریج دیکھ رہا تھا۔ "کیوں؟"
"بس ایسے ہی۔۔۔؟" اس نے عنایہ کی طرف دیکھے بغیر ٹی وی اسکرین کو دیکھتے ہوئے اس کی بات کا جواب دیا۔
"بیٹھ جاؤ۔" عنایہ نے اسے اسی طرح کھڑے دیکھ کر کہا۔ جبریل تب تک لاؤنج کے ایک طرف موجود کچن ایریا میں دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا تھا۔
"ایرک! تمہاری ممی کو پتا ہے کہ تم یہاں ہو؟" جبریل کو فریج میں سے دودھ نکالتے ہوئے اچانک خیال آیا۔
"میرا خیال ہے۔" ایرک نے جواباً "کان سے مکھی اڑانے والے انداز میں کہا۔ "نہیں نہیں پتا؟"
جبریل دودھ کی بوتل کاؤنٹر پر رکھتے ہوئے ٹھٹکا۔ اسے پچھلے ہفتے کا خیال آیا تھا جب ایرک کی ممی اسے ڈھونڈتے ہوئے وہاں آئی تھیں اور انہوں نے شکایت کی تھی کہ وہ بتائے بغیر گھر سے نکلا تھا اور وہ اتفاقاً "اسے ڈھونڈنے لگیں تو انہیں پتا چلا وہ گھر پر تھا ہی نہیں۔ تب ہی وہ ان لوگوں کے گھر آئی تھیں کیونکہ انہیں پتا تھا وہ انہیں کہیں اور نہیں تو وہاں مل جائے گا۔
"ممی گھر پر نہیں ہیں۔" ایرک نے جبریل کے تنبیہی انداز کو بھانپ لیا تھا۔
"کہاں گئی ہیں؟" جبریل کبھی اتنی پوچھ گچھ نہ کرتا اگر یہ ایرک نہ ہوتا تو۔۔۔ کہیں نہ کہیں ان سب کو پتا تھا کہ وہ بعض دفعہ ان سے جھوٹ بولتا تھا اور بڑے اطمینان سے بولتا تھا اور یہ عادت اسے پہلے نہیں تھی۔۔۔ ایک سال پہلے جب اس کا باپ زندہ تھا۔
"کسی دوست کے پاس گئی ہیں۔۔۔ سبل اور مارک بھی ان کے ساتھ ہیں۔" اس نے جبریل کو بتایا۔ ٹی وی پر اب کوریج ختم ہو کر کریڈٹس چل رہے تھے۔
"تم ساتھ نہیں گئے؟" عنایہ نے اس سے پوچھا۔
"مجھے ٹیسٹ کی تیاری کرنی تھی۔" اس نے ترکی بہ ترکی کہا۔ عنایہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔ وہ اب ریموٹ ہاتھ میں لیے اس کا معائنہ اس طرح کرنے اور اس کے بٹنوں کو چھونے میں مصروف تھا جیسے زندگی میں پہلی بار ریموٹ دیکھا ہو۔۔۔ عنایہ کی طرف متوجہ نہ ہوتے ہوئے بھی اسے اندازہ تھا وہ اس کی بات پر اسے دیکھ رہی ہوگی۔
"چلو پھر ٹیسٹ کی تیاری کرتے ہیں۔" عنایہ نے جواباً "اسے کہا۔ اسے واقعی تشویش ہوئی تھی کہ ایرک نے ٹیسٹ کی تیاری نہیں کی تھی۔۔۔ اس کا مطلب تھا وہ ایک بار پھر ٹیسٹ میں برا اسکور لینے والا تھا۔
"یہ سب واپس کب آئیں گے؟" ایرک نے اس کی آفر کو مکمل طور پر نظرانداز کرتے ہوئے بات بدلنے کی کوشش کی۔۔۔ ٹیسٹ کی تیاری اس کی زندگی کا مسئلہ نہیں تھا۔ اس کی زندگی کے مسائل کچھ اور تھے۔
"واپس آرہے ہوں گے۔" عنایہ نے اسے بتایا اور اسے دیکھنے لگی۔ اسے پتا تھا اب وہ بے مقصد' بے معنی سوال کرتا رہے گا تاکہ وہاں بیٹھا رہے تب تک' جب تک وہ وہاں سے بھی بے زار نہیں ہو جاتا۔۔۔ اسے ایرک پر ترس آیا تھا۔۔۔ پچھلے ایک سال سے ہمیشہ ہی آتا تھا۔۔۔ وہ پہلے ایسا نہیں تھا۔۔۔ اس کی کلاس کے سب سے بہترین

اسٹوڈنٹس میں سے ایک تھا۔۔۔ ایک سال میں وہ اوسط سے بھی کم ہو گیا تھا۔
"تم اپنی ممی کے ساتھ نہیں گئے؟" عنایہ نے اس سے کہا۔۔۔ اس نے ایک لمحہ قبل جبریل کی ملک شیک کی آفر رد کی تھی۔
"ہاں میں جا سکتا تھا، لیکن میں نہیں گیا۔۔۔ میں کوئی گیم کھیل سکتا ہوں۔۔۔؟" اس نے ایک ہی جملے میں جواب اور سوال کیا۔ عنایہ ہچکچائی۔
"نہیں۔" عنایہ کے بجائے جبریل نے جواب دیتے ہوئے اس کے ہاتھ سے ریموٹ لے لیا تھا۔
"اس وقت ہمارے گھر میں کوئی گیمز نہیں کھیلتا۔۔۔ کافی دیر ہو چکی ہے۔"
جبریل نے اس کے قریب صوفے پر بیٹھتے ہوئے اسے اپنے گھر کے قوانین نرمی سے بتائے۔ وہ روز گیمز نہیں کھیل سکتے تھے۔۔۔ وہ رات کو بھی گیمز نہیں کھیل سکتے تھے۔۔۔ عام طور پر وہ اس وقت تک ڈنر کر چکے ہوتے، لیکن آج حمین کے اس مقابلے میں شرکت کی وجہ سے ڈنر لیٹ ہو گیا تھا۔
"لیکن میں تو ایک آؤٹ سائڈر ہوں۔۔۔ اور مہمان بھی۔" ایرک نے چند لمحے سوچنے کے بعد جبریل سے کہا، جو اب ٹی وی پر سی این این لگا کر بیٹھا تھا۔
"نہیں تم باہر کے نہیں ہو۔" جبریل نے جواباً" اسے کہا۔ ایرک بول نہیں سکا۔ وہ جیسے ان سے یہی سننا چاہتا تھا۔
"میں ڈنر ٹیبل سیٹ کر دوں۔۔۔ سب آنے والے ہوں گے۔" عنایہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ اب لاؤنج میں ہی ایک حصے میں لگی ہوئی ڈائننگ ٹیبل پر میٹس اور پلیٹیں رکھنے لگی۔۔۔ ایرک کچھ دیر وقفے وقفے سے اسے اور جبریل کو دیکھتا رہا پھر جیسے اسے وہاں اپنی موجودگی بے مقصد نظر آئی تھی۔ جبریل نیوز بلیٹن میں محو تھا۔ عنایہ ٹیبل سیٹ کرنے میں۔۔۔ ایرک پھر بھی وہاں سے جانے پر تیار نہیں تھا۔ اس گھر میں زندگی تھی۔۔۔ سکون۔۔۔ جو اب اس کے گھر میں نہیں تھا۔
کچھ دیر بے مقصد ہی سی این این دیکھتے ہوئے وہ اٹھ کر عنایہ کے پاس آ گیا اور کچھ کہے بغیر خود ہی ٹیبل سیٹ کرنے میں اس کی مدد کرنے لگا۔۔۔ آٹھ کرسیوں والی ٹیبل پر عنایہ نے سات میٹس لگائے تھے اور ایرک نے یہ نوٹس کیا تھا۔ اس نے جیسے کہے بغیر یہ جان لیا تھا کہ وہ وہاں سے کھانا کھا کر جائے گا۔ وہ اکثر ان کے گھر کھانا کھا لیتا تھا۔۔۔ پاکستانی کھانا بھی۔۔۔ صرف تازہ کھانے کی خواہش میں۔۔۔ کچھ لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانے کی ضرورت کے تحت۔۔۔ اس کے اپنے گھر میں کیرولین کھانا ویک اینڈ پر بنا کر فریز کیا کرتی تھی۔ پھر وہ پورا ویک وہی کھانا بار بار گرم ہو کر کھایا جاتا۔۔۔ ایسا ہمیشہ سے نہیں تھا۔ ایک سال سے ہو گیا تھا، جب سے اس کا باپ ایک حادثے میں ہلاک ہوا تھا۔
کیرولین وکیل تھی، ایک نامور اور بے حد مصروف وکیل۔ تین بچوں کی باپ کے بغیر اکیلے دیکھ بھال کرنا اور اس کے ساتھ ساتھ کیریئر کو بھی سنبھالنا اسے بہت مشکل لگنے لگا تھا۔ وہ نہ جاب بدل سکتی تھی نہ ہی اپنے کیریئر کے اس اسٹیج پر اپنا پروفیشن۔۔۔ گھر میں رہنے والی ماں بننا اس کی خواہشات میں سے تھا بھی نہیں۔ شوہر کی حادثاتی موت ایک صدمہ تھی۔۔۔ وہ اور جیمز پندرہ سال سے اکٹھے تھے اور ایک مثالی جوڑا تھے۔۔۔ پندرہ سال کی رفاقت کے بعد اچانک ایک دن پھر اکیلے ہو جانا تکلیف دہ تھا، لیکن مستقبل کا عدم تحفظ ایک اور مسئلہ تھا۔ وہ مشرقی عورت نہیں تھی کہ صرف بچوں کو اپنا ساتھی اور زندگی کا مقصد سمجھتے ہوئے صرف انہیں کافی سمجھتی اور ان ہی کے سہارے اپنی زندگی گزار دیتی۔ اسے اپنی زندگی میں کسی ساتھی کی تلاش اور ضرورت بھی تھی، جو جیمز کے کار کریش کے چھ ماہ بعد ایک کولیگ کی شکل میں مل گیا تھا۔

زندگی بالکل نارمل نہیں ہوئی، لیکن کچھ بہتر ہونے لگی تھی... کم از کم کیرولین کے لیے... اس کے دونوں جڑواں بچے چھ سال کے تھے... اور ایرک دس سال کا تھا جب کار کے حادثے میں جیمز کی موت واقع ہوئی تھی... سبل اور پارک سنبھل گئے تھے... وہ ابھی چھوٹے تھے اور جیمز کے ساتھ ان کی وابستگی ویسی نہیں تھی جیسی ایرک کی تھی... وہ باپ کے ساتھ حد سے زیادہ اٹیچڈ تھا۔

وہ لوگ جس suburb میں رہ رہے تھے وہاں پندرہ بیس گھروں میں رہنے والے سارے ہی لوگ پروفیشنلز اور اعلا قابلیت کے حامل تھے۔ کچھ دوسری قومیت سے تعلق رکھتے تھے جیسے سالار اور امامہ کا خاندان جو ایرک کے بالکل ساتھ والے گھر میں تھے۔ ان کا لان مشترکہ تھا۔ ایرک کی پیدائش سے بھی پہلے سے جیمز نے وہ گھر قسطوں پر ـــــ لیا تھا لیکن سالار اور اس کا خاندان تقریباً" ڈھائی سال پہلے وہاں آکر رہنا شروع ہوا تھا۔ سالار اور جیمز کسی فنانشل فرم میں کچھ عرصہ کام کرچکے تھے اور ایک دوسرے کو بہت عرصے سے جانتے تھے۔ دونوں خاندانوں میں میل ملاپ بڑھنے کی وجہ، سالار کے بچوں کا اسی اسکول ایڈمیشن بھی، جہاں ایرک تھا۔ عنایہ، ایرک کی کلاس میں تھی۔ یہ ان دونوں کے درمیان ہونے والی دوستی کا آغاز تھا۔ اگر اسے دوستی کہا جاسکتا تو... عنایہ بہت الگ تھلگ رہنے والی بچی تھی۔ وہ بہت نرم خو اور شائستہ تھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ بہت سوچ سنبھل کر بات کرنے والی...

ایرک بھی بے حد باتونی نہیں تھا لیکن لاابالی تھا۔ شرارتی... خوش مزاج... دوستانہ عادات رکھنے والا ایک امریکن بچہ... وہ عنایہ کی طرف اس کی غیر معمولی ذہانت کی وجہ سے متوجہ ہوا تھا۔ اس نے دنوں میں اس کلاس میں آکر دھاک بٹھائی تھی... وہ ان کی کلاس کی پہلی سیاہ بالوں اور سیاہ آنکھوں والی دودھیا رنگت کی لڑکی تھی اور اپنی لمبی خم دار پلکوں کی وجہ سے پہچانی جاسکتی تھی۔ ایرک کو وہ "کیوٹ" لگتی تھی۔ اس لیے بھی کیونکہ وہ کلاس کی دوسری لڑکیوں کی طرح ہر وقت پٹر پٹر بولتی نظر نہیں آتی تھی نہ ہی ہر ایک سے بحث کرتی نظر آتی تھی۔

اس کو اپنا دوست بنانے کی کوشش ایرک کی طرف سے ہوئی تھی اور ایک سال تک جاری رہی تھی۔ وہ عنایہ کے گھر بھی آتا جاتا تھا لیکن یہ سب کچھ رسمی تھا۔ اس کی فیملی کے لوگ دوسرے ہمسایوں کے بچوں کی طرح اس سے بھی اچھے طریقے سے ملتے تھے لیکن یہاں وہ بے تکلفی اسے کبھی محسوس نہیں ہوئی کہ وہ عنایہ کو اپنی گرل فرینڈ کہہ سکتا...

"وہ لوگ مسلم ہیں اور مسلم ایسے ہی ریزرروڈ ہوتے ہیں۔" اس نے ایک بار اپنے باپ سے عنایہ اور اس کے والدین کے حوالے سے لمبے چوڑے سوالات کیے تھے اور اس کے باپ نے بڑے اچھے طریقے سے اسے سمجھایا تھا۔

ڈیڑھ سال گزرنے کے بعد سب کچھ ڈرامائی انداز میں بدلا تھا۔ اس کے باپ کی موت کے بعد عنایہ نے پہلی بار خود اس سے بات چیت کرنے کی کوشش کی تھی۔ جب وہ تقریباً" دو ہفتے کے بعد پہلی بار اسکول گیا تھا اور اسکول جانے کے باوجود وہ ہر کلاس میں کچھ بھی کام کیے بغیر خالی ذہن کے ساتھ بیٹھا رہا تھا۔ اس کے تمام فرینڈز اور کلاس فیلوز نے باری باری آکر اس کو تسلی دینے کی کوشش کی تھی اور پھر اپنے روزمرہ کے معاملات میں مصروف ہوگئے تھے لیکن ایرک اگلے کئی دن اسکول جاتے ہوئے بھی دوسرے بچوں کی طرح معمول کی سرگرمیوں میں خود کو مصروف نہیں رکھ سکا تھا اور یہ ہی وہ وقت تھا جب عنایہ اور اس کی دوستی شروع ہوئی تھی۔ وہ کلاس ورک میں اس کی مدد کرنے لگی تھی۔ وہ جانتا تھا اور محسوس کرسکتا تھا کہ وہ ہمدردی تھی جو عنایہ اور اس کی فیملی کو یک دم اسے اتنی توجہ دینے پر مجبور کررہی تھی اور اس ہمدردی نے بڑے عجیب انداز میں اسے ان لوگوں کا محتاج کیا تھا۔

سالار کا خاندان وہ واحد خاندان اور گھر نہیں تھا جہاں ایرک کا آنا جانا تھا۔ وہ اپنے آس پاس کے ان تمام گھروں

میں ہی جاتا تھا جہاں اس کے ہم عمر بچے تھے۔ جس جگہ وہ رہتا تھا' وہاں مختلف مذاہب اور مختلف قومیتوں کے لوگ رہتے تھے۔ ایک آدھ انڈین۔۔۔ چند چائنیز۔۔۔ اکادکا عرب۔۔۔ یہودی۔۔۔ اور پھر سالار اور امامہ کا گھر۔۔۔ اور ان سب گھروں میں وہ اگر کسی گھر کی طرف کھنچتا تھا تو وہ یہ ہی آخری گھر تھا۔

ان کا گھر ویسا ہی گھر تھا جیسا کبھی اس کے باپ کی زندگی میں اس کا اپنا گھر تھا۔ اس کے ماں باپ بے حد مصروف ہونے کے باوجود ایرک پر توجہ دیتے تھے۔ خاص طور پر اس کا باپ' جو خود اکلوتا تھا۔۔۔ اور اب کیرولین پوری کوشش کے باوجود ایرک کو اتنی توجہ نہیں دے سکتی تھی۔ وہ سبل اور مارک کو زیادہ توجہ کا مستحق سمجھتی تھی کیونکہ وہ بہت چھوٹے تھے اور اگر وہ ایسا سمجھتی تھی تو یہ غلط بھی نہیں تھا۔۔۔ اور ایرک جیسے اپنے محور سے بھٹکے ہوئے ایک سیارے کی طرح اس خاندان کے سیارے میں آیا تھا۔ ان سے متاثر۔۔۔ ان کا حصہ بن جانے کی خواہش میں۔۔۔

حمین اور رئیسہ کے ساتھ امامہ اور سالار کی آمد پر ان کا بے حد پرجوش طریقے سے استقبال کیا گیا تھا اور استقبال کرنے والوں میں ایرک بھی تھا۔ کچھ دیر کے لیے وہاں ان کے ساتھ حمین سے خوش گپیاں کرتے وہ یہ بھول گیا تھا کہ وہ کہاں موجود ہے۔

کھانے کی میز پر ان کے ساتھ کھانا کھاتے اور خوش گپیاں کرتے ہوئے' ڈور بیل بجنے پر بھی ایرک کو یہ خیال نہیں آیا تھا کہ وہ کیرولین ہو گی۔ وہ بے حد ناخوش تھی اور ہمیشہ کی طرح ان کے گھر آنے پر اس نے معمول کے انداز میں خوش گوار رسمی جملوں کا تبادلہ بھی نہیں کیا تھا۔ اس نے اندر آتے ہی ایرک کا پوچھا تھا اور ایرک کے وہاں ہونے کی تصدیق ہونے پر وہ اندر آئی تھی اور اس نے لاؤنج میں کھڑے کھڑے ایرک کو ڈانٹنا شروع کر دیا تھا۔

وہ سبل اور مارک کو اس کے پاس چھوڑ کر کسی دوست کے ساتھ ڈنر پر گئی تھی اور وہ سبل اور مارک کے سوتے ہی گھر سے نکل آیا تھا اور اب جب کیرولین واپس آئی تو اس نے سبل اور مارک دونوں کو گھر میں روتے ہوئے پریشان اور ایرک کو وہاں سے غائب پایا تھا۔

ایرک نے ماں کی ڈانٹ پھٹکار خاموشی سے سُنی تھی۔ شرمندگی اگر اسے ہوئی تھی تو صرف اس بات کی کہ اس کا جھوٹ ان سب کے سامنے کھلا تھا' جو اس نے مارک اور سبل کے حوالے سے بولا تھا۔ کیرولین سخت مزاج نہیں تھی لیکن پچھلے کچھ عرصہ سے اس کے اور ایرک کے درمیان عجیب سی سرد مہری آگئی تھی وہ جانتی تھی۔ ایرک' جیمز کی موت کی وجہ سے اپ سیٹ تھا لیکن وہ اس بات سے بے زار ہو چکی تھی۔

وہ گیارہ سال کا لڑکا تھا' وہ چاہتی تھی وہ اپنی ذمہ داریاں محسوس کرے اور اگر کچھ ذمہ داریاں اپنے سر نہیں لے سکتا تو کم از کم مزید کوئی مسئلہ بھی پیدا نہ کرے۔ ایرک کو ماں سے تب تک ہمدردی رہی تھی جب تک اس نے کیرولین کے نئے پارٹنر کو نہیں دیکھا تھا۔ باپ کی موت سے بڑا صدمہ یہ تھا کہ کوئی اور اس کے باپ کی جگہ لینے والا تھا۔ اس کے اور کیرولین کے درمیان سرد مہری اور کشیدگی کی بنیادی وجہ یہی تھی جسے کیرولین بوجھ نہیں پائی تھی۔

ایرک کے جانے کے کچھ دیر بعد بھی وہاں خاموشی ہی رہی تھی' یہ کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ وہ اس ساری صورت حال پر کس ردِعمل کا اظہار کرے۔ ایرک کے ساتھ سب کو ہمدردی تھی لیکن اب ان کی سمجھ میں یہ بھی نہیں آرہا تھا کہ وہ اسے اپنے گھر سے دور کیسے رکھیں۔ خاص طور پر ایسی صورت حال میں جب کیرولین کو اس میل جول پر اعتراض بھی نہیں تھا اور وہ خود بھی کئی بار ایمرجنسی کی صورت میں سبل اور مارک کو ان کے پاس چھوڑ جاتی تھی۔

"اتنا اچھا بچہ تھا۔۔۔ پہلے کبھی جھوٹ بولتے نہیں دیکھا میں نے اسے۔۔۔ پتا نہیں اب کیا ہو گیا ہے اسے۔"
ٹیبل سے برتن اٹھاتے ہوئے امامہ نے جیسے تبصرہ کیا تھا۔

"جیمز کی موت نے ایسا کردیا ہے اسے۔" سالار نے میز سے اٹھتے ہوئے اس کے تبصرے کے جواب میں کہا۔

برتن سنک میں رکھتے ہوئے امامہ عجیب انداز میں ٹھنڈی پڑی تھی۔ دو دن بعد سالار کا طبی معائنہ ہونا تھا۔ پہلے ہر تین ماہ کے بعد اس کا طبی معائنہ ہوتا تھا' اب اس بار چھ ماہ کے بعد... یہ دیکھا جاتا تھا کہ اس کے دماغ میں موجود ٹیومر کس حالت میں تھا۔ بڑھنے لگا تھا؟ گھٹنے لگا تھا؟ اس کے دماغ میں کوئی اور ٹیومر تو نہیں بن گیا تھا۔ ٹیومرز نے کچھ اور سیلز کو تو متاثر کرنا نہیں شروع کردیا تھا۔ CTS' TMT' BPT' LP CBC. MRI پتا نہیں کتنے ٹیسٹس تھے جن کی رپورٹس وہ دم سادھے دیکھتی رہتی تھی۔ ہر کلیئر رپورٹ اس کا سانس بحال کردیتی۔ کوئی معمولی سی بھی خراب رپورٹ اسے بے حال کردیتی۔ زندگی جیسے پھر تین ماہ کے دائرے میں سمٹ کر آگئی تھی۔ تین ماہ کے بعد وہ میڈیکل چیک اپ ہوتا۔ اور پھر وہ تین ماہ کے لیے جینے لگی اور جب جب میڈیکل چیک اپ کی تاریخیں قریب آنے لگتیں امامہ کی بدحواسی میں بھی اضافہ ہونے لگتا۔

اور یہ سب کچھ تین سال سے ہو رہا تھا اور تین سال سے ۔ ٹھیک تھا۔ اس کا آپریشن کامیاب رہا تھا۔ ہوش میں آنے کے بعد اس کی ذہنی صلاحیتوں پر بھی کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ چھوٹے موٹے اثرات آئے تھے لیکن وہ ایسے نہیں تھے کہ انہیں تشویش لاحق ہوتی لیکن اس کے باوجود امامہ ہاشم کو لگتا تھا' زندگی بدل گئی ہے۔

اور اب سالار کی زبان سے جیمز کی موت کا ذکر سن کر اور اس موت نے اس کے بیٹے کو کیسے متاثر کیا تھا۔ وہ ایک بار پھر اسی طرح منجمد ہو گئی تھی۔ چند گھنٹے پہلے ہونے والی تقریب یک دم جیسے اس کے دماغ سے محو ہو گئی تھی۔ وہ چیک اپ جو دو دن بعد ہونے والا تھا' اگر وہ ٹھیک رہتا تو پھر اس کا چیک اپ تین کے بجائے چھ ماہ کے بعد ہوتا۔ سالار کی نہیں جیسے اس کی اپنی زندگی کی معیاد تین سے چھ ماہ بڑھنے والی تھی۔

کچن میں سنک کے سامنے کھڑے اس نے لاؤنج میں بیٹھے سالار کو دیکھا۔ اس کے گرد بیٹھے اس سے خوش گپیوں میں مصروف اپنے بچوں کو دیکھا۔

وہ خوش قسمت تھی کہ وہ اب بھی ان کی زندگیوں میں تھا... جیتا جاگتا... ہنستا مسکراتا... خوش باش' صحت مند... کم از کم کوئی اب اسے دیکھ کر یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ اسے کوئی بیماری تھی اور ایسی بیماری تھی۔ وہ صرف اپنی سرجری کے بعد صحت یابی اور علاج کے دورانیے میں بیمار لگتا تھا۔ سرجری کے لیے سر کے بال صاف کرا دینے کی وجہ سے بھی اور اس کے بعد ہونے والے علاج کی وجہ سے بھی...

تب اس کے چہرے پر یک دم جھریاں سی آگئی تھیں۔ بہت کم وقت میں اس کا وزن بہت زیادہ کم ہوا تھا۔ وہ شاید اس کا نتیجہ تھیں۔ چھ سات ماہ وہ ایک کے بعد ایک چھوٹے بڑے انفیکشنز کا شکار ہوتا رہا تھا۔

وہ سرجری کے بعد واپس پاکستان آنا چاہتی تھی لیکن آ نہیں سکی... وہ اسے وہاں اس طرح اکیلے یہ جنگ لڑنے کے لیے چھوڑ نہیں سکتی تھی... وہ کام چھوڑ کر گھر بیٹھ کر آرام کرنے کے لیے تیار نہیں تھا اور یہ آپشن اس کے پاس تھا بھی نہیں... سرجری کے ایک ہفتے بعد وہ دوبارہ STI کے پروجیکٹس لیے بیٹھا تھا... اور وہ صرف بیٹھ کر اسے دیکھتی رہی تھی۔

تیمارداری... عیادت... دیکھ بھال... ان لفظوں کو سالار سکندر نے بے معنی کر کے رکھ دیا تھا۔ وہ حتی المقدور اپنی ذمہ داری خود اٹھا رہا تھا۔ جیسے ساری عمر اٹھانے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ وہ پھر بھی اسے تنہا چھوڑ دینے پر تیار نہیں تھی۔ چھ سات ماہ کے بعد وہ بالآخر صحت مند ہونا شروع ہو گیا تھا۔ اس کے نئے بال اگ آئے تھے۔ اس کا وزن بڑھ گیا تھا۔ اس کے چہرے سے وہ جھریاں غائب ہو گئی تھیں جو راتوں رات آئی تھیں۔ آنکھوں کے گرد حلقے اور چہرے کی پیلاہٹ بھی چلی گئی تھی۔ وہ اب ویسا ہی سالار نظر آتا تھا جیسا اس بیماری کی تشخیص سے پہلے تھا۔ وہ

گھنٹے ٹریڈمل پر جاگنگ کرنے والا۔۔۔ اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے لگاتار کام کرنے کی صلاحیت رکھنے والا۔۔۔ ہار نہ ماننے والا۔۔۔ چھوٹی موٹی تکلیف کو بتائے بغیر سہہ جانے والا۔۔۔ لیکن وہ ٹیومر اس کے اندر موجود تھا۔۔۔ ایک خاموش آتش فشاں کی طرح۔۔۔ اثرات کے بغیر۔۔۔ حرکت کے بغیر۔۔۔ لیکن اپنا بھیانک وجود برقرار رکھتے ہوئے۔۔۔ جیسے موت جو نظر نہ آتے ہوئے بھی ہوتی ہے۔ کبھی بھی آسکتی ہے اور کہیں بھی آجاتی ہے۔

ڈاکٹرز کہتے تھے اس کی صحت کی بحالی ناقابل یقین اور قابل رشک ہے امامہ ہاشم پھر بھی مطمئن ہونے سے قاصر تھی۔۔۔ وہ اپنے کسی خدشے کو ختم نہیں کر سکتی تھی۔۔۔ اپنے کسی خوف کا گلا نہیں گھونٹ سکتی تھی۔۔۔ تین سال خیر خیریت سے گزر جانے کے باوجود وہ آج بھی اسی ذہنی کیفیت میں تھی۔۔۔ سالار نہیں تھا۔ اس نے اپنی زندگی اور بیماری دونوں کے بارے میں سوچنا چھوڑ دیا تھا۔ اس کے پاس سوچنے کے لیے وقت ہی نہیں تھا۔ وہ اس زندگی سے خوش اور مطمئن تھا جو وہ گزار رہا تھا۔ وہ خوش اور مطمئن نہیں تھی۔ اس کے پاس سوچنے کے لیے بہت وقت تھا۔ اس کا دن مصروفیات میں گزر جاتا تھا۔۔۔ مگر اس کی راتیں اب بھی سوچوں میں گزرتی تھیں۔۔۔ اور وہ بے خواب راتیں تب تب بڑھنے لگتی تھیں جب اس کے میڈیکل چیک اپ کی تاریخیں قریب آنے لگتی تھیں۔۔۔ وہ لاکھ کوشش کے باوجود اپنے دماغ سے وہ تاریخیں جھٹک نہیں پاتی تھی۔۔۔ جیسے وقت یک دم الٹی گنتی بن کر چلنے لگتا تھا۔ اسے یاد نہیں تھا کہ زندگی کے یہ تین سال اس نے سالار کی زندگی اور صحت کے علاوہ کسی اور چیز کے بارے میں اس قدر سوچتے ہوئے گزارے تھے۔ ساری ضروریات، خواہشات یک دم کہیں غائب ہو گئی تھیں۔ وہ جیسے یہ بھول ہی گئی تھی کہ اس کو کیا پسند تھا کیا نہیں۔۔۔ سالار کے ساتھ گزارے ہوئے شادی کے شروع کے دس سالوں میں اس نے دنیا کی ہر نعمت چکھ لی تھی۔ ہر آسائش دیکھ لی تھی۔۔۔ لگژری کارز سے پرائیویٹ جہازوں کے سفر تک۔۔۔ سونے کے زیورات سے لے کر ہیروں تک۔۔۔ سب۔۔۔ وہ آدھی دنیا اس کے ساتھ گھومی تھی۔۔۔ کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس کی تمنا اس نے کی ہو اور سالار نے اسے تمنا رہنے دیا ہو۔۔۔ وہ اپنی زندگی کے ان دس سالوں پر پریوں کی کہانی لکھ سکتی تھی۔ لیکن ایسی زندگی گزارنے کے بعد بھی امامہ ہاشم کو زندگی کی سب سے بڑی نعمت زندگی ہی لگی تھی۔

"اس شخص۔۔۔" کی زندگی۔۔۔ وہ اس کے پاس تھا تو دنیا کی کوئی اور چیز نہ ہونے کے باوجود بھی وہ خوش رہ سکتی تھی۔ ہنس سکتی تھی۔۔۔ جی سکتی تھی۔۔۔ باقی اور کچھ بھی نہ ہوتا۔۔۔ مہنگے کپڑے، زیورات، آسائشات، گھر کچھ بھی نہ ہوتا، صرف اس کا ساتھ اس کے ساتھ رہتا تو وہ خوش رہ سکتی تھی۔ جینے کے لیے بس اتنا کافی تھا اور اب ایک بار پھر اس کے میڈیکل چیک اپ کی تاریخ قریب تھی، ایک بار پھر اس کی نیندیں غائب ہونا شروع ہو گئی تھیں۔

لاؤنج میں حمین کی کسی بات پر ہنستے ہوئے سالار کا چہرہ دیکھتے ہوئے اسے اس کی سرجری کے بعد پہلی بار اسے دیکھنا یاد آیا تھا۔ آٹھ گھنٹے کی سرجری کے بعد پہلی بار اسے دیکھنا۔۔۔ پھر اگلی صبح اسپتال جا کر اسے دوبارہ دیکھنا۔۔۔ وہ یاد نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن وہ بھول نہیں پاتی تھی۔۔۔ وہ تب بھی اس کے چہرے پر نظریں جمائے اسے دیکھتے ہوئے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھے بیٹھی تھی، جب وہ ہوش میں آیا تھا۔۔۔ اس کے متورم پپوٹے ہلنے لگے تھے۔ وہ آنکھیں کھولنے کی جدوجہد کر رہا تھا۔

"سالار۔۔۔ سالار۔۔۔!" وہ بے اختیار اسے پکارنے لگی تھی۔۔۔ ایک بار۔۔۔ دو بار۔۔۔ کئی بار۔۔۔ اس نے بالآخر آنکھیں کھول دی تھیں۔۔۔ سوجی ہوئی سرخ آنکھیں۔۔۔ وہ غنودگی میں تھا اور اس کیفیت سے لڑ رہا تھا۔ اس نے سالار کا چہرہ چھوا، ایک بار پھر اس کا نام پکارتے ہوئے۔۔۔

اس بار سالار نے اسے دیکھا تھا۔ گردن ذرا سی موڑتے ہوئے لیکن ان آنکھوں میں اس کے لیے کوئی پہچان، کوئی تاثر نہیں تھا۔ وہ صرف اسے دیکھ رہا تھا۔ پہچاننے کی کوشش نہیں کر رہا تھا۔

امامہ کو جیسے دھچکا لگا تھا۔ کیا وہ واقعی اسے پہچان نہیں پا رہا تھا۔ ڈاکٹرز نے اس خدشے کا اظہار آپریشن سے پہلے کیا تھا کہ اس کی یادداشت جا سکتی ہے۔ آپریشن کے مضمرات میں سے یہ ایک تھا۔۔۔ اس کے باوجود وہ شدید صدمے کا شکار ہوئی تھی۔ گنگ۔۔۔ دم بخود۔۔۔ وہ سرد ہاتھ پیروں کے ساتھ ان آنکھوں کو دیکھتی رہی تھی جو اسے ایک اجنبی کی طرح دیکھ رہی تھیں۔ پھر جیسے ان آنکھوں میں چمک آنی شروع ہوئی۔ جیسے اس کا عکس ابھرنا شروع ہوا۔ اس کی پلکیں اب ساکت نہیں تھیں۔ وہ جھپکنے لگی تھیں۔ مانوسیت کا احساس دیتے ہوئے۔۔۔ بیڈ پر اس کے ہاتھ کے نیچے موجود سالار کے ہاتھ میں حرکت ہوئی تھی۔ وہ اس کا نام اب بھی نہیں لے پا رہا تھا لیکن اس کے ہاتھ کا لمس شناخت کر رہا تھا۔ ردِ عمل ظاہر کر رہا تھا۔ تین سال گزرنے کے بعد بھی امامہ اس سرجری سے پہلے اور اس سرجری کے بعد کا ایک ایک لمحہ گنوا سکتی تھی۔ وہ سب کچھ جیسے اس کے ذہن پر انمٹ نقوش کی طرح نقش تھا۔

سالار کی زبان سے جو پہلا لفظ نکلا تھا وہ اس کا نام نہیں تھا۔ وہ "الحمدللہ" تھا۔ اور امامہ کو پہلی بار الحمدللہ کا مطلب سمجھ میں آیا تھا۔ اس نے امامہ کا نام اگلے جملے میں لیا تھا اور امامہ کو لگا اس نے زندگی میں پہلی بار اپنا نام سنا ہو۔ زندگی میں پہلی بار اسے اپنا نام خوب صورت لگا تھا۔ اس نے پہلی چیز پانی مانگی تھی اور امامہ کو لگا دنیا میں سب سے قیمتی چیز پانی ہی تو ہے اور اس نے کلمہ پڑھا تھا۔ کوئی مرتے ہوئے تو کلمہ پڑھتا ہے۔ پھر زندہ ہو جانے پر اس نے کلمہ پڑھتے ہوئے کسی کو پہلی بار دیکھا تھا اور اس سب کے دوران سالار نے امامہ کا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا۔ وہ لمس۔۔۔ لمس نہیں تھا۔ جنت تھی جو ہاتھ میں تھی۔

"تمہیں نہیں آنا یہاں؟" سالار نے یک دم اسے مخاطب کیا۔ وہ ابھی بھی کچن کے سنک سے ٹیک لگائے وہیں کھڑی تھی۔ دور تھی اس لیے خود پر قابو بھی پا گئی تھی۔ آنسو بھی چھپا گئی تھی۔

"ہاں۔۔۔ میں آتی ہوں۔" اس نے پلٹ کر سنک میں باقی برتن بھی رکھے "میں سب باتیں تو "یہاں" سے بھی سن رہی ہوں۔" اس نے کہا تھا۔

"ممی! اگلے سال رئیسہ جائے گی "اسپیلنگ بی" میں۔" حمین نے وہاں بیٹھے۔۔۔ وہ اعلان کیا تھا جو رئیسہ اس سے پہلے ہی اس تک پہنچا چکی تھی۔ امامہ نے ٹونٹی بند کرتے ہوئے پلٹ کر دیکھا۔ وہ خود کو سنبھال چکی تھی لیکن حمین کی بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

"رئیسہ کیا کرے گی؟" اس نے صرف رئیسہ کا نام سنا تھا۔

"ممی! میں بھی یہ ٹرافی جیت کر لاؤں گی۔" رئیسہ نے اس بار خود امامہ کو منصوبے کے بجائے مقصد بتایا۔

☆ ☆ ☆

عائشہ عابدین اپنے باپ کے انتقال کے سات ماہ بعد پیدا ہوئی تھی۔ تین بہنوں میں سب سے چھوٹی تھی اور تینوں بہنوں کی عمر میں زیادہ وقفہ نہیں تھا۔ اس کے والدین نہ صرف خود ڈاکٹرز تھے' بلکہ ڈاکٹرز کے ایک نامور خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ عائشہ کی ماں نورین الٰہی نے اپنی بیٹی کو تھوڑے عرصے کے لیے پاکستان میں اپنی ماں کے پاس بھیج دیا تھا۔ وہ امریکہ میں میڈیسن جیسے پروفیشن سے منسلک ہوئے تھے۔ دو بیٹیوں کے ساتھ اس نوزائیدہ بچی کو شوہر کی اچانک موت کے بعد پیدا ہونے والے حالات میں سنبھال نہیں سکتی تھیں۔ عائشہ اگلے پانچ سال پاکستان ہی میں رہی۔ حالانکہ نورین الٰہی ۔۔۔ اس کو سال چھ مہینے وہاں رکھنا چاہتی تھیں لیکن عائشہ کی نانی اور نانا کو اس سے اتنی انسیت ہو گئی تھی۔ اور وہ بھی ان کے ساتھ اتنی خوش اور مطمئن تھی کہ نورین خیال آنے پر بھی اسے واپس نہیں لے جا سکیں۔ دو چھوٹی بچیوں کے ساتھ امریکہ میں زندگی ایک آرتھوپیڈک سرجن کے طور پر ویسے ہی اتنی مشینی تھی۔ شوہر کی موت کے بعد۔ کہ وہ چاہتیں بھی تو عائشہ کو اپنے ساتھ لے جانے پر

بھی وہ اس کی پرورش کی ذمہ داری نہیں اٹھا سکتی تھیں۔

پانچ سال کے بعد بالآخر وہ عائشہ کو امریکہ اپنے پاس لے آئیں لیکن عائشہ کا وہاں دل نہ لگا۔ وہ اپنی دونوں بڑی بہنوں سے مانوس نہیں تھی۔ نورین الٰہی بہت مصروف تھیں اور عائشہ کے لیے کسی کے پاس وقت نہیں تھا۔ وہ دو سال کسی نہ کسی طرح وہاں گزارتی رہی لیکن سات سال کی عمر میں نورین کو ایک بار پھر۔ اس کی ضد پر اسے واپس پاکستان بھیجنا پڑا لیکن اس بار نورین کو اس کے رہن سہن کے حوالے سے فکر ہونے لگی تھی۔ وہ اور ان کی دونوں بیٹیاں اور آدھے سے زیادہ سسرال اور میکہ امریکہ میں مقیم تھے اور وہ عائشہ کو بھی مستقل طور پر امریکہ میں ہی رکھنا کرنا چاہتی تھیں کیونکہ پاکستان میں اب ان کے صرف والدین رہ گئے تھے جو پاکستان چھوڑ کر اپنے بیٹوں یا بیٹیوں کے پاس امریکہ آنے پر تیار نہیں تھے۔

سات سال کی عمر میں اسے واپس پاکستان بھیجنے کے باوجود اس بار نورین اسے سال میں دوبار امریکہ بلاتی رہیں۔ ان کی کوشش تھی عائشہ اور اس کی بہنوں نریمان اور رائمہ میں لگاؤ پیدا ہو جائے۔ ان کی کوشش کامیاب ثابت ہوئی تھی۔ عائشہ اور اس کی دونوں بہنیں اب ایک دوسرے کے زیادہ قریب ہونے لگی تھیں اور عائشہ کو اب امریکہ اتنا اجنبی نہیں لگتا تھا جتنا اس کو شروع میں لگتا تھا۔

دس سال کی عمر میں عائشہ ایک بار پھر امریکہ آئی تھی اور اس بار اسے وہاں رہنے میں پہلے جیسے مسئلے پیش نہیں آئے تھے لیکن اب ایک نیا مسئلہ پیش تھا۔ وہ اسکول میں جاکر پریشان ہونے لگی تھی۔ وہ پاکستان میں بھی کو ایجوکیشن میں پڑھتی رہی تھی مگر وہاں اور یہاں کے ماحول میں فرق تھا۔ نورین اسکول کے حوالے سے کچھ نہیں کرسکتی تھیں۔ یہ مسئلہ ان کی بڑی دونوں بیٹیوں کو پیش نہیں آیا تھا۔ وہ عائشہ کی طرح کلاس میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر پریشان نہیں ہوتی تھیں۔ نہ ہی برہم ہوتی تھیں۔ عائشہ کو اسکول اچھا نہیں لگتا تھا۔ نورین کے پاس ایک راستہ یہ تھا کہ وہ اسے وہاں کسی اسلامک اسکول بھیجیں، وہ اس راستے کو استعمال نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ وہ اس عمر میں اسے اتنی بامنظم زندگی دینا نہیں چاہتی تھیں۔ ان کا خیال تھا وہ کچھ عرصہ یہاں رہنے کے بعد خود ہی ٹھیک ہونا شروع ہو جائے گی۔ ایک سال بعد بھی جب عائشہ بہتر ہونے کے بجائے زیادہ پریشان ہونا شروع ہوئی اور اس کے گریڈز اور خراب ہونے لگے تو نورین کو اسے ایک بار پھر پاکستان بھیجنا پڑا تھا۔ وہ اب اسے اولیولز کے بعد وہاں بلوانا چاہتی تھیں کیونکہ ان کا خیال تھا وہ اس وقت تک کچھ سمجھ دار ہو جائے گی اور وہاں چیزوں کو آسانی سے سمجھ سکے گی۔

تیرہ سال کی عمر میں عائشہ عابدین ایک بار پھر امریکہ رہنے ہونے کے لیے آئی تھی لیکن اس بار وہ وہاں اپنے لیے ایک نیا مسئلہ دیکھ رہی تھی، امریکہ اسے اسلامی ملک نہیں لگ رہا تھا۔ وہاں کی شخصی آزادی اس کے لیے پریشان کن تھی۔ وہاں لباس اور زبان کے معاملے میں روا رکھنے والی آزادی اسے ہولانے لگی تھی لیکن ان میں سب سے بڑا چیلنج اس کے لیے یہ تھا کہ وہ وہاں حجاب میں بھی اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھتی تھی جو اس نے پاکستان میں لینا شروع کیا تھا اور جس سے نورین خوش نہیں تھیں۔

اس بار نورین نے بالآخر گھٹنے ٹیک دیے تھے۔ یہ مان لیا تھا کہ عائشہ کا امریکہ میں اب کوئی مستقبل نہیں تھا۔ وہ پاکستان میں ہی رہنا چاہتی تھی اور وہاں پیش آنے والے تمام چھوٹے بڑے مسائل کے ساتھ خوش تھی۔ انہوں نے عائشہ کو ایک بار پھر امریکہ سے واپس پاکستان بھیج دیا تھا۔ یہ عائشہ عابدین کا انتخاب تھا کہ اسے اپنی زندگی نانا، نانی کے طریقے سے ایک اسلامی ملک میں گزارنی ہے۔ ایک نو عمر کے طور پر امریکہ کی ترقی سے متاثر ہونے اور وہاں رہائش کا اختیار رکھنے کے باوجود عائشہ عابدین ایک پرسکون اچھی زندگی کا خواب لے کر ایک بار پھر پاکستان لوٹی تھی، جہاں وہ اپنے جیسے لوگوں کے درمیان زندگی گزارتی۔

عائشہ کے نانا' نانی نے اسے کانونٹ میں پڑھانے کے باوجود زیادہ بے باک انداز میں اس کی پرورش نہیں کی تھی۔ عائشہ کو انہوں نے گھر میں ایک ایسے مولوی سے قرآن پاک پڑھایا تھا جو کسی کم فہم رکھنے والا کوئی روایتی مولوی نہیں تھا۔ وہ ایک اچھے ادارے کے طلبا کو قرآن اور حدیث کی تربیت دیتا تھا۔ خود عائشہ کے نانا' نانی بھی دین اور دنیا کی بہت سمجھ رکھتے تھے۔ وہ اعلا تعلیم یافتہ تھے۔ ملنے جلنے کے شوقین اعلا طبقے سے تعلق رکھنے کے باوجود وہ دینی اور اخلاقی قدروں کے حساب سے قدامت پسند تھے لیکن یہ قدامت پرستی دین کے ان معنوں میں نہیں تھی جو انہوں نے عائشہ کو دیا تھا۔

عائشہ عابدین ایک ایسے ماحول میں جہاں دین کی سمجھ بوجھ اور اس میں گہری دلچسپی کے ساتھ پیدا ہوئی تھی جہاں پر حرام اور حلال کی تلواروں سے ڈرانے کے بجائے دلیل اور منطق سے اچھائی اور برائی سمجھائی جاتی تھی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ عائشہ اپنے مذہب سے بے حد جذباتی لگاؤ رکھتی تھی۔

وہ پانچ وقت نماز باقاعدگی سے پڑھتی تھی۔ حجاب بھی اوڑھتی تھی۔ روزے بھی رکھتی تھی۔ اپنے نانا' نانی کے ساتھ حج بھی کر چکی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ فنون لطیفہ کی ہر صنف میں بھی دلچسپی رکھتی تھی۔ پینٹنگز بنا لیتی تھی۔ اسکول میں پورے لباس کے ساتھ پیراکی کے مقابلوں میں بھی حصہ لیتی تھی۔ ہر وہ کام کرلیتی تھی جس میں اسے دلچسپی ہوتی اور جس کی اسے اپنے نانا' نانی سے اجازت ملتی تھی۔

امریکی معاشرے کا حصہ نہ بننے کے باوجود نورین کو یہ تسلیم کرنے میں عار نہیں تھا کہ ان کی بیٹی کی تربیت بہت اچھی ہوئی تھی اور اس کا سہرا اپنے والدین کو صرف وہ ہی نہیں دیتی تھیں۔ ان کے خاندان اور سسرال کے وہ سب لوگ دیتے تھے جو عائشہ سے کبھی مل چکے تھے۔

نورین نے اپنی بڑی دونوں بیٹیوں کو بھی بڑی توجہ اور محنت سے پالا تھا۔ انہوں نے انہیں امریکہ میں رہتے ہوئے اپنے کلچر اور مذہب سے جتنا قریب رکھنے کی کوشش کرسکتی تھیں اتنا رکھا تھا۔ مگر ان کا زندگی گزارنے کا انداز بہت آزاد تھا۔ اور نورین کو یہ اس لیے کبھی قابل اعتراض نہیں لگا تھا' کیونکہ ان کی بیٹیاں حدود و قیود سے کبھی آگے نہیں بڑھیں جو ان کے لیے کبھی پریشانی کا باعث بنتی' سو ان کے اطمینان کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ نہ صرف تعلیمی لحاظ سے بہت اچھی تھیں بلکہ امریکہ میں پلنے بڑھنے والی دوسری پاکستانی لڑکیوں کی نسبت ان کی زیادہ فرماں بردار اور پروا کرنے والی تھیں۔

لیکن انہیں ان دونوں میں اور عائشہ کی تربیت میں تب فرق سمجھ میں آتا جب عائشہ امریکا ان کے پاس رہنے کے لیے آتی یا وہ پاکستان رہنے آتیں۔

انہیں یہ احساس ہوتا کہ وہ "بیٹی" کی ماں ہیں۔ عائشہ ان کے آگے پیچھے پھرتی تھی۔ ان کے پاس بیٹھی رہتی۔ ان کی باتیں توجہ سے سنتی۔ ان کے لیے کھانے بناتی اور اس سب کے بدلے میں اسے نورین سے کچھ بھی نہیں چاہیے ہوتا تھا۔ وہ یہ سب عادتاً" کرتی تھی اور یہ سب اس نے ان ہی والدین سے سیکھا تھا جو نورین کے ماں باپ تھے۔

نورین اپنے ماں' باپ کی اس حوالے سے بے حد احسان مند اور ممنون تھیں کہ انہوں نے اس کی بیٹی کی صرف تربیت ہی اچھی نہیں کی تھی' بلکہ اسے بہت اچھے اداروں سے تعلیم دلوا رہے تھے کہ نورین کی خواہش تھی کہ عائشہ ڈاکٹر بنتی' کیونکہ ان کی بڑی دونوں بیٹیوں میں سے کسی کو میڈیسن میں دلچسپی نہیں تھی اور نہ ہی وہ ڈاکٹر بننا چاہتی تھیں۔ عائشہ کو بھی میڈیسن میں بہت زیادہ دلچسپی نہیں تھی اور شاید ماں کی خواہش نہ ہوتی تو وہ میڈیسن کے بجائے آرکیٹکٹ بننا چاہتی لیکن نورین کی خواہش کو مقدم سمجھتے ہوئے اس نے زندگی کے بہت سارے مقاصد بدل دیے تھے۔ شاید کہیں وہ اپنی ماں کی وہ خفگی بھی دور کرنا چاہتی تھی جو بار بار امریکہ جا کر بھی وہاں ایڈجسٹ نہ

ہونے اور پھر واپس آنے پر' وہ اپنی ماں کے دل میں پیدا کرتی رہی تھی۔
نورین اس لیے بھی اسے میڈیسن پڑھانا چاہتی تھیں 'کیونکہ ان کا خیال تھا اگر عائشہ کو دوبارہ کبھی امریکہ آنا پڑا تو اس کے پاس ایک اچھی پروفیشنل ڈگری ہوگی تو اسے نوکری کے مسئلے نہیں ہوں گے۔ میڈیکل پڑھانے کا وہ خواب جو نورین نے اس کے لیے دیکھا تھا وہ عائشہ عابدین کی زندگی کا سب سے بھیانک خواب ثابت ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ اگلی صبح پھر ان کے دروازے پر کھڑا تھا۔ بچوں کو اسکول گئے ابھی صرف گھنٹہ ہی ہوا تھا اور امامہ نے لانڈری سے کپڑے نکال کر چند منٹ پہلے ڈرائیو میں ڈالے تھے۔ اسے آج گیراج صاف کرنا تھا اور بیل بجنے پر اس کے بارے میں سوچتے ہوئے نکلی تھی تو اس نے ایرک کو سامنے کھڑا پایا تھا۔
امامہ نے دروازہ کھول دیا تھا لیکن وہ دروازے سے ہٹی نہیں تھی۔ ایرک نے ہمیشہ کی طرح اپنے مخصوص انداز میں سلام کیا تھا جو اس نے ان ہی سے سیکھا تھا۔ امامہ نے سلام کا جواب دیا لیکن وہ پھر بھی وہیں کھڑی رہی تھی۔ راستہ روکے اور اس پر نظریں جمائے۔
"آپ اندر آنے کو نہیں کہیں گی؟" ایرک نے بالآخر کہا۔
"تم اسکول نہیں گئے؟" امامہ نے اس کا سوال گول کرتے ہوئے جواباً" اس سے پوچھا۔
"تو۔۔۔ دراصل۔" ایرک نے چند لمحے کوئی جواب ڈھونڈنے کی کوشش کی پھر وہی جواب دیا جو وہ سمجھ رہی تھی۔
"کیوں؟"
"میری طبیعت خراب ہے۔" ایرک نے نظریں ملائے بغیر کہا۔
"طبیعت کو کیا ہوا؟" وہ نہ چاہتے ہوئے بھی یک دم نرم پڑی۔
"مجھے لگتا ہے۔ مجھے کینسر ہے۔" ایرک نے بے حد اطمینان کے ساتھ کہا۔
وہ کچھ لمحوں کے لیے ہکا بکا رہ گئی تھی۔
"فار گاڈ سیک۔" اس نے بالآخر اپنے حواس پر قابو پایا۔ "جو بھی منہ میں آئے بول دیتے ہو۔ سوچتے نہیں کیا کہنا ہے اور کیا نہیں۔ ایسے ہوتا ہے کینسر۔"
وہ اسے ڈانٹتی ہی چلی گئی۔ ایرک کو مایوسی ہوئی۔ اسے امامہ سے ہمدردی کی توقع تھی جو پہلے ملتی رہی تھی۔
"آپ کو کیسے پتا مجھے کینسر نہیں ہے؟" اس نے بالآخر امامہ سے کہا۔
وہ اس کی شکل دیکھ کر رہ گئی۔ اس کی شکل بے حد معصوم تھی۔ چاکلیٹ براؤن چمک دار ریشمی بال جو کنگھی کیے بغیر بکھرے ہوئے تھے اور اسی رنگ کی آنکھیں جو پہلے شرارت سے چمکتی رہتی تھیں۔ اب ان میں ایک الجھن بھری اداسی تھی۔
امامہ سے کوئی جواب نہیں بن پڑا تھا۔ جواب دے سکتی تھی لیکن گیارہ سال کے اس بچے کو کیا جواب دیتی جو پہلے ہی زندگی کے سبق سیکھ نہیں پا رہا تھا۔
خاموشی سے اس نے راستہ چھوڑا اور ایپرن کی ڈوریاں کمر کے گرد کستے ہوئے دروازہ کھلا چھوڑ کر اندر چلی گئی۔ ایرک نے اندر آتے ہوئے دروازہ بند کیا۔ کنڈی لگائی۔ یوں جیسے وہ اس کا اپنا گھر تھا پھر وہ بھی لاؤنج میں آگیا تھا۔
امامہ کچن کاؤنٹر پر بیکنگ کا بہت سا سامان پھیلائے کھڑی تھی' وہ اپنے کام میں مصروف رہی' کاؤنٹر پر پڑے سیل فون سے کسی سورت کی تلاوت ہو رہی تھی جو وہ کام کرتے ہوئے سن رہی تھی۔ ایرک نے بھی لاؤنج میں آکر کمرے میں بلند ہونے والی آیات کی آواز سنی۔ چند لمحوں کے لیے اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔ وہ کھڑا رہے۔ بیٹھ

جائے۔بات کرے۔نہ کرے۔
اس نے جبریل کو کئی بار تلاوت کرتے سنا تھا اور وہ جب بھی تلاوت کررہا ہوتا' کوئی اور بات نہیں کرتا تھا' اس کے آس پاس کوئی اور اونچی آواز میں بات بھی نہیں کرتا تھا' اریک فیصلہ نہیں کرپایا کہ سیل فون پر چلنے والی تلاوت کے دوران اسے کیا کرنا چاہیے۔اس کی یہ مشکل امامہ نے آسان کی۔اس نے سیل فون پر وہ تلاوت بند کردی۔
"جبریل کی آواز ہے؟" اریک نے جیسے تصدیق والے انداز میں پوچھا۔
"ہاں۔"
"بہت پیاری ہے۔"
امامہ اس بار مسکرائی۔
"میں بھی سیکھنا چاہتا ہوں یہ۔ قرآن۔" اریک نے جیسے اس سنائی دینے والی چیز کے لیے بالآخر موزوں لفظ تلاش کیا۔امامہ خاموش رہی۔
"میں سیکھ سکتا ہوں کیا؟"
اس نے امامہ کو خاموش پاکر سوال کیا۔ایک اور عجیب سوال۔امامہ نے سوچا کبھی کبھی اس کے سوال بھی مشکل میں ڈال دیتے ہیں۔اسے غلط فہمی تھی کہ اسے مشکل میں ڈالنے والے سارے سوال صرف حمین کے پاس ہی تھے۔
"دلچسپی ہو تو سب کچھ سیکھا جاسکتا ہے۔" اس نے اپنے جواب کو حتی المقدور مناسب کرکے پیش کیا۔
"آپ سکھا سکتی ہیں؟" اس کا اگلا سوال اس سے بھی زیادہ گھما دینے والا تھا۔
"نہیں۔میں نہیں سکھا سکتی۔" امامہ نے دوٹوک انداز میں کہا۔وہ مطلب سمجھا تھا نیت نہیں۔
"جبریل سکھا سکتا ہے؟" اس نے متبادل حل پیش کیا۔
"وہ بہت مصروف ہے' اسے ہائی اسکول ختم کرنا ہے اس سال۔" امامہ نے جیسے بہانا پیش کیا۔
"میں انتظار کرسکتا ہوں۔" اریک کے پاس بھی متبادل حل تھا۔
امامہ نے اس بار اس گفتگو ______ سے بچنے کے لیے ایک کیبنٹ کھول کر کچھ ڈھونڈنا شروع کیا' اریک نے اس موضوع گفتگو میں اس کی عدم دلچسپی محسوس کرتے ہوئے موضوع بدلنے کی کوشش کا آغاز کیا۔
"حمین اپنے بیڈ روم میں کیوں نہیں لے گیا اسے؟" وہ اب لاؤنج کے درمیان رکھی میز پر پڑی' حمین کی اسپیلنگ بی ٹرافی کی طرف متوجہ تھا۔امامہ نے پلٹ کر اسے دیکھا۔
"آج اس کے کچھ دوست مدعو ہیں یہاں گھر پر۔ان ہی کو دکھانے کے لیے رکھی ہے۔" اس نے انڈوں کی ٹوکری سے ایک انڈا نکالتے ہوئے جواب دیا۔
"اوہ پارٹی ہے۔" اریک نے خوشی کا اظہار کیا۔یا کم از کم خوش دکھائی دینے کی کوشش کی۔"میں انوائیٹڈ ہوں کیا؟ اس نے اگلے جملے کو پھر سوال میں بدلا۔
وہ ایک پیالے میں انڈے توڑ کر ڈالتے ڈالتے رکی۔"تم پہلے ہی یہاں ہو۔" خوش مزاجی سے کہے گئے اس جملے میں ایسا کچھ نہیں تھا جو اریک کو برا لگتا لیکن اسے برا لگا تھا۔
"آپ کو میرا یہاں آنا اچھا نہیں لگتا؟" لاؤنج کے درمیان میں کھڑے کھڑے اس نے امامہ سے پوچھا۔
"جھوٹ بول کر آنا اچھا نہیں لگتا۔" اس بار اس کے جواب نے چند لمحوں کے لیے اریک کو لاجواب کیا۔اس نے ہونٹ کاٹتے ہوئے امامہ کو دیکھا پھر اس ٹرافی کو جو درمیانی سینٹر پر پڑی تھی۔
اسے اندازہ تھا کہ وہ کس جھوٹ کا ذکر کررہی تھی اور اسے یہ بھی پتا تھا کل رات ہونے والے واقعہ کے بعد

امامہ اس سے یہ ضرور کہتی۔ وہ اسے اچھی طرح جانتا تھا کم از کم اتنا تو۔ انڈے پھینٹتے ہوئے امامہ نے ایک اچٹتی نظر اس پر ڈالی' ریڈ ٹی شرٹ اور نیلی جینز کے ساتھ جوگرز پہنے بکھرے بالوں کے ساتھ سر جھکائے دونوں ہاتھ جینز کی جیبوں میں ڈالے ایک جوگر کی نوک سے فرش کو رگڑتے ہوئے' وہ پتا نہیں گہری سوچ میں تھا یا شرمندگی میں۔ امامہ کو بے اختیار اس پر ترس آیا۔

"ناشتا کیا ہے؟" وہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ ایرک نے نفی میں سرہلایا۔ امامہ نے اس سے یہ نہیں پوچھا تھا کہ وہ ناشتا کرے گا یا نہیں۔ وہ اس کے لیے ناشتا بنانے لگی تھی۔ ایرک کو بھی پتا تھا وہ کیا کررہی ہے۔

"آپ مجھے پیٹی بنادیں۔" وہ جانتی تھی' وہ پراٹھا کھانا چاہتا تھا وہ ان کے گھر کئی بار پراٹھا کھا چکا تھا۔

"میں اسے وہاں لگا دیتا ہوں۔" ایرک نے درمیانی سینٹر پر ٹرافی کے برابر میں پڑے سرٹیفکیٹ کو اٹھاتے ہوئے اسے دیوار پر لگانے کی پیش کش کی' وہ جیسے اپنے اور امامہ کے درمیان ملاقات کے شروع میں ہی آنے والی تلخی کو ختم کرنے کی کوشش کررہا تھا۔

"و نہیں مت لگاؤ۔" امامہ نے اسے روکا۔

"کیوں؟" اس نے الجھ کر پوچھا۔ "آپ کو فخر نہیں ہے حمین پر؟"

وہ اس کی بات پر کچن میں کام کرتے کرتے ہنسی۔ وہ اس سے یہ نہیں کہہ سکی کہ اگر وہ اپنے بچوں کے سرٹیفکیٹس' ٹرافیاں اور اعزازات کو اپنے گھر کی دیواروں پر لگاتی تو اس کے گھر میں کوئی جگہ خالی نہ بچتی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ایسی ہی قابل اولاد دی تھی۔

"حمین کے پاپا کو پسند نہیں ہے یہ۔" اس نے پراٹھے کے لیے پیڑا بناتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟" وہ متجسس ہوا۔

"یہ اپنے کارناموں کی نشانیوں کو ہر وقت دیواروں پر لٹکا دیکھیں گے آتے جاتے ہوئے تو ان کے دماغوں کو ساتویں آسمان سے کیسے نیچے اتاریں گے ہم۔" اسے سالار کی بات یاد آئی تھی۔ جو اس نے پہلی بار جبریل کے کسی سرٹیفکیٹ کو دیوار پر لگانے کی اس کی کوشش کے جواب میں کہی تھی۔

"کوئی کتنی بھی بڑی اچیومنٹ والا دن ہو۔ چوبیس گھنٹے کے بعد ماضی بن جاتا ہے اور ماضی کے ڈھنڈورے پیٹنے والے لوگ کبھی مستقبل کے بارے میں نہیں سوچتے۔" اس نے سالار کی بات من وعن دہرائی تھی' پتا نہیں ایرک کی سمجھ میں آئی یا نہیں۔ لیکن اس نے مزید کسی سوال کے بغیر وہ سرٹیفکیٹ اسی میز پر رکھ دیا تھا۔

"مسز سالار آپ مجھے پسند نہیں کرتیں؟" وہ اس کے اگلے سوال پر بری طرح چونکی۔

"سب تمہیں بہت پسند کرتے ہیں پھر میں تمہیں پسند کیوں نہیں کروں گی۔" اس نے بڑے تحمل سے جیسے اسے سمجھایا۔

"آپ مجھے ایڈاپٹ کرسکتی ہیں؟" اگلا سوال اتنا اچانک تھا کہ وہ پراٹھا بھول کر اس کی شکل دیکھنے لگی۔ وہ بے حد سنجیدہ تھا۔ چند لحوں کے لیے اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔ کہ وہ کیا کہے پھر وہ ہنس پڑی تھی۔ ایرک کو اس کی ہنسی اچھی نہیں لگی۔

"ایرک تمہاری ممی ہیں۔ دو بہن بھائی ہیں۔ ایک فیملی ہے۔"

"پلیز۔" ایرک نے کچھ بے تابی سے اس کی بات کاٹ کر جیسے پلیز کہہ کر اس کی منت کی تھی۔

"تمہاری ممی تم سے بہت پیار کرتی ہیں ایرک! وہ کبھی بھی تمہیں کسی دوسرے کو نہیں دیں گی اور تمہیں ان کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کے پاس جانے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔" امامہ نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

"ممی کے پاس ایک بوائے فرینڈ ہے۔ وہ جلد ہی ان سے شادی بھی کرلیں گی۔ کیا آپ تب مجھے ایڈاپٹ کرسکتی ہیں؟" اس نے جیسے اس مسئلے کا بھی حل نکالا تھا۔
"تم کیوں چاہتے ہو ہمارے پاس آنا؟" وہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکی۔
"کیونکہ یہ مجھے گھر لگتا ہے۔"

بہت مختصر جملے میں اس بچے کا ہر نفسیاتی مسئلہ چھپا تھا... وہ کس تلاش میں کہاں کہاں پھر رہا تھا۔ امامہ کا دل اور پگھلا مگر کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کا کوئی حل نہیں ہوتا... چاہے عقل کی ہر کنجی لگالیں، کچھ تالے نہیں کھلتے۔
"تم اپنی ممی کو چھوڑ کر ہمارے پاس آنا چاہتے ہو... یہ تو اچھی بات نہیں ہے۔" امامہ نے جیسے جذباتی بلیک میلنگ کی کوشش کی تھی۔
"ممی مجھے چھوڑ دیں گی... میں نے آپ کو بتایا ہے نا۔ ان کا بوائے فرینڈ ہے..." ایرک کے پاس اس جذباتی حربہ کا جواب تھا۔
"وہ شادی کرلیں... بوائے فرینڈ کے ساتھ رہنے لگیں۔ کچھ بھی ہو۔ تم ان کے بیٹے ہی رہو گے... تم سے ان کی محبت کم نہیں ہوگی... وہ تمہیں اور تمہارے دونوں بہن بھائیوں کو اپنی زندگی سے نکال نہیں سکتیں۔" اس نے کیرولین کی وکالت کرکے ایرک کی مایوسی کو جیسے اور بڑھایا۔
"میں عنایہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" اس کے اگلے جملے نے امامہ کا دماغ جیسے گھما دیا تھا... وہ اگلے کئی لمحے بول ہی نہیں سکی تھی۔ وہ ان لوگوں سے اٹیچڈ تھا، ان لوگوں کو پسند کرتا تھا لیکن وہ اس طرح اس انداز میں ان کے خاندان کا حصہ بننے کا سوچ سکتا تھا۔ اس کا اندازہ اسے نہیں تھا۔
"یہ بھی نہیں ہوسکتا۔" اس نے بالآخر اس سے کہا۔
"کیوں؟" وہ بے تاب ہوا۔
"تم ابھی اس طرح کی باتیں کرنے کے لیے بہت چھوٹے ہو۔" اسے اس سے زیادہ مناسب جواب نہیں سوجھا تھا۔ "جب میں بڑا ہو جاؤں گا تب شادی کرسکتا ہوں اس سے؟"
"نہیں۔" اس بار اس نے صاف گوئی سے کہا۔
"کیوں؟" وہ اتنی آسانی سے ہار ماننے والا نہیں تھا۔
"اس سے شادی کیوں کرنا چاہتے ہو تم؟" وہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکی۔
"کیونکہ میں اسے پسند کرتا ہوں۔"
"لیکن ہوسکتا ہے وہ تمہیں اتنا پسند نہ کرتی ہو کہ تم سے شادی کرنے پر تیار ہو جائے۔" ایرک کے چہرے پر ایک رنگ آکر گزر گیا۔
"کیا اس نے آپ سے ایسا کہا؟" اس نے ایک بچکانہ سوال کیا تھا۔
"نہیں اس نے مجھ سے نہیں کہا۔ وہ بہت چھوٹی ہے۔ تمہیں پسند یا ناپسند کرنے کے بارے میں وہ ابھی سوچ بھی نہیں سکتی... لیکن یہ میں تم سے کہہ رہی ہوں ایرک! کہ اس طرح کی باتیں کرنا اور سوچنا چھوڑ دو... ورنہ شاید ہمارے لیے تم سے ملنا جلنا ممکن نہیں رہے گا۔" وہ نہ چاہتے ہوئے بھی کچھ ترش ہوئی تھی اور یہ ضروری تھا، وہ نہیں چاہتی تھی وہ ایسی کوئی بات عنایہ سے بھی کرے۔
"آپ مجھ سے خفا نہ ہوں... اگر آپ ایسا نہیں چاہتیں تو میں عنایہ سے شادی نہیں کروں گا لیکن میں اس سے پیار کرتا ہوں۔" ایرک اس کی خفگی سے کچھ پریشان ہوا لیکن پھر بھی اسے اپنے دل کی کیفیت بتائے بغیر نہیں رہ سکا۔ وہ بے اختیار لمبی سانس لے کر رہ گئی... وہ اس معاشرے کے وہ چیلنجز تھے جو اس سمیت ہر مسلمان ماں

کوڈراتے تھے۔
"تم کیا کر سکتے ہو عنایہ کے لیے؟" اس نے بے حد سنجیدگی سے ایرک سے پوچھا۔
"سب کچھ۔" اسے وہی جواب ملا جس کی اسے توقع تھی۔

"او کے پھر اسکول جاؤ باقاعدگی سے... دل لگا کر پڑھو... اپنا کوئی کیریئر بناؤ... عنایہ کسی ایسے لڑکے کو تو کبھی پسند کر سکتی جو باقاعدگی سے اسکول نہ جاتا ہو... اپنی ماں کی بات نہ مانتا ہو... اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کی پرواہ نہ کرتا ہو... جو اسٹڈیز کو سنجیدگی سے لیتا ہی نہ ہو... اور پھر جھوٹ بولتا ہو۔"
ایرک کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ امامہ نے جیسے دو سیکنڈز میں اس کی زندگی کی پہلی محبت کا تیا پانچہ کر دیا تھا۔
وہاں یک دم خاموشی چھائی تھی۔ امامہ اب بھی کچن میں کام میں مصروف تھی۔ ایرک کا ناشتہ تیار کر کے اس نے ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔ وہ بہت دیر خاموش رہا پھر اس نے امامہ سے کہا۔
"میں اپنے آپ کو ٹھیک کر لوں گا۔"
"یہ بہت اچھا ہو گا ایرک... لیکن اس کے ساتھ تمہیں ایک اور وعدہ بھی کرنا ہے مجھ سے۔"
"کیا؟" وہ الجھا۔
"جب تک تم ہائی اسکول پاس کر کے یونیورسٹی میں نہیں چلے جاتے تم عنایہ سے اس طرح کی کوئی بات نہیں کرو گے... میں نہیں چاہتی' وہ تم سے مکمل طور پر خفا ہو جائے۔"
"میں وعدہ کرتا ہوں۔ میں ایسا ہی کروں گا۔"
ایرک نے بھی اسی سنجیدگی سے امامہ سے کہا تھا جس سنجیدگی سے وہ اس سے بات کر رہی تھی۔ وہ اپنا چھری اور کانٹا پکڑے کرسی پر بیٹھا پراٹھا کھانے کی تیاری میں تھا۔
"اور جب تک تم یونیورسٹی نہیں پہنچ جاتے ہم دوبارہ اس ایشو پر بات نہیں کریں گے... محبت... شادی... عنایہ۔" امامہ نے جیسے ان تین چیزوں کے گرد ریڈ زون لگاتے ہوئے اس سے کہا تھا۔ وہ معمول کی طرح یہ بات بھی مان گیا تھا۔
امامہ کا خیال تھا۔ اس نے حفاظتی بند باندھ دیا تھا۔ تھوڑا عرصہ مزید گزر جانے پر وہ اپنے باپ کی موت کو بھول جانے کے بعد ٹھیک ہو جاتا۔ اس سے عنایہ اور اس سے متعلقہ ہونے والی ساری گفتگو بھول جاتا... اس نے ایرک کی اس بات چیت کو ایک امریکن بچے کی بچکانہ گفتگو سے زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔... اسے اندازہ نہیں تھا ایرک ایک عام امریکن بچہ نہیں تھا۔

☆ ☆ ☆

احسن سعد کا باپ اس بات پر ہمیشہ فخر کرتا تھا کہ اس کا بیٹا آج کے زمانے میں پاکستان کے بہترین انگلش میڈیم اور کو ایجوکیشن اداروں میں پڑھنے کے باوجود ایک سچا اور پکا مسلمان تھا... داڑھی رکھتا تھا... پانچ وقت کی نماز مسجد میں پڑھتا تھا... حج اور عمرے کی سعادت اپنے شوق سے حاصل کر چکا تھا... لڑکیوں سے کوسوں دور بھاگتا تھا۔ کسی ایسی سرگرمی میں ملوث نہیں تھا جو "حرام" تھی اور ماں باپ کا فرماں بردار تھا... دن کو دن اور رات کو رات کہنے والی سعادت مندی اور اس کے ساتھ ساتھ پڑھائی میں شروع سے اب تک اس نے اسکالرشپ حاصل کی تھی... صرف وہی نہیں ان کی دونوں چھوٹی بیٹیاں بھی جو بڑے بھائی ہی کی طرح دینی طور پر باعمل ہونے کے ساتھ ساتھ پوزیشن ہولڈرز تھیں۔
سعد اور اس کی بیوی اس بات پر جتنا فخر کرتے' وہ کم تھا اور یہ فخر وہ برملا لوگوں تک پہنچاتے بھی تھے... ان کے حلقہ احباب میں زیادہ تر لوگ ان ہی کی طرح کنزرویٹو اور مذہبی تھے لیکن کم لوگ ایسے تھے جن کے بچے ان کے بچوں کی طرح لائق فائق ہوتے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ والدین کے اتنے فرماں بردار ہوتے۔

باندھتا تھا۔ ان کا گھران کے سوشل سرکل میں ایک آئیڈیل گھر سمجھا جاتا تھا ایسا آئیڈیل گھر جیسا گھر اور فیملی سب بنانا چاہتے۔۔۔ لیکن یہ صرف اس کی ماں کا خاندان تھا جو اس آئیڈیل گھر کی کھوکھلی بنیادوں سے واقف تھا اور احسن سعد کے باپ کو پسند نہیں کرتا تھا۔

سعد نے ایک بہت امیر اور اچھے خاندان میں شادی کی تھی لیکن اس کے بعد اس نے اپنی بیوی کو ایک اچھی اور نیک مسلمان عورت بنانے کے لیے جو کچھ کیا تھا۔ وہ اس کے خاندان سے پوشیدہ نہیں تھا۔۔۔ اگر شادی کے پہلے ہی سال احسن پیدا نہ ہو گیا ہوتا تو اس کی بیوی کے ماں باپ اپنی بیٹی کی علیحدگی کروا چکے ہوتے۔۔۔ کئی بار احسن کی پیدائش کے بعد بھی معاملات اس حد تک جاتے رہے کہ طلاق ہو جاتی لیکن سعد اور اس کے گھر والوں کا شور شرابا ہمیشہ انہیں کمزور کر دیتا۔۔۔ سعد اپنی بیوی کو ایک با حجاب 'فرماں بردار' دین سے قریب اور دنیا سے دور رہنے والی بیوی بنانا چاہتا تھا اور یہ وہ مطالبہ تھا جو وہ مذہب کا نام استعمال کرتے ہوئے کرتا تھا۔

سعد میں اس کے علاوہ کوئی خرابی نہیں تھی کہ وہ اپنی بیوی کو اس سانچے میں ڈھالنے کے لیے ہر حربہ استعمال کر سکتا تھا۔ گالم گلوچ سے لے کر مار کٹائی تک اور ماں باپ کے گھر جانے پر پابندی لگانے سے گھر میں قید کر دینے تک۔۔۔ اور خاندانوں کے بڑے جب بھی ان مسائل پر اکٹھے ہوئے سعد اپنے ہر رویے کا جواز اسلام سے لے کر آتا۔۔۔ وہ شوہر تھا۔ بیوی کو اپنے طریقے اختیار کروانا نہیں چاہتا تھا۔ اسلامی طریقے پر رکھنا چاہتا تھا۔ کیا بیوی کا خاندان اپنی بیٹی کو بے راہ رو دیکھنا چاہتا تھا۔۔۔ اس کی بیوی کے میکے والوں کے پاس ہزار دلیلوں کے باوجود سعد کے قرآن و حدیث اور مذہبی حوالوں کا جواب نہیں تھا۔۔۔ وہ روشن خیال پڑھے لکھے تھے مگر ان کے پاس صرف دنیاوی تعلیم تھی۔ ان کے پاس دین کا علم ہوتا تو وہ سعد کے قرآن و حدیث کے حوالوں کا سیاق و سباق بھی اسے بتا دیتے۔

سعد کی بیوی اس سے عمر میں چھوٹی تھی اور ہر بار اس کے گھر والے اسے کچھ اور وقت صبر اور برداشت کے ساتھ گزارنے کا کہتے اور سعد کی کچھ اور فرماں برداری اختیار کرنے کی نصیحت کرتے۔۔۔ ان سب کا خیال تھا' وقت گزرنے اور بچے ہونے کے ساتھ ساتھ سعد بدلتا جائے گا۔۔۔

وقت بدلنے کے ساتھ سعد نہیں بدلا تھا۔ اس کی بیوی بدلتی چلی گئی تھی۔ اس نے ذہنی طور پر یہ مان لیا تھا کہ وہ شادی سے پہلے واقعی اسلام سے دور تھی اور دین کی تعلیمات وہی تھیں جو سعد اس کے کانوں میں ڈالتا تھا اور اسے واقعی وہی کرنا چاہیے جو اس کا شوہر کہتا تھا۔ ویسا پردہ۔۔۔ ویسی خدمت۔۔۔ ویسی فرماں برداری۔ ایک اسٹیج وہ آگیا تھا جب دونوں میاں بیوی سوچ کے حساب سے ایک جیسے ہو گئے تھے۔۔۔ اس کی بیوی بھی سعد کی طرح لوگوں پر اپنے فتوے نافذ کرنے لگی تھی' وہ دوسروں کے بارے میں اپنے فتووں کا کھلا اظہار کرتی تھی۔ وہ کسی کی ذرا بھی ایسی چیز کو برداشت نہیں کر پاتی تھی جو اسے غیر اسلامی لگتی۔ ان کا خیال تھا' اسلام انہیں اس کا حکم دیتا تھا کہ جو علم ان کے پاس ہے' وہ دوسروں تک پہنچائیں۔ جو خلاف اسلام کام وہ روک سکتے ہیں۔ اسے روک دیں جسے برا کہہ سکتے ہیں۔ اسے برا نہ کہیں بلکہ سب کے سامنے اس طرح مطعون کریں کہ اگلا شرم سے پانی پانی ہو جائے۔

اسلام میں "حکم" کے علاوہ "حکمت" نام کی بھی ایک چیز ہے' وہ اس سے ناواقف تھے۔۔۔ وہ میاں بیوی اس بات پر شکر ادا کرتے تھے کہ اللہ نے انہیں یہ توفیق عطا کی کہ وہ لوگوں کو کھینچ کھینچ کر مذہب کی طرف لا رہے تھے۔ راہ ہدایت کی طرف راغب کر رہے تھے۔

ان دونوں کی ازدواجی زندگی میں اگر کسی بات پر ان کا کبھی اتفاق ہوا تھا تو وہ صرف یہی ایک بات تھی۔ ان دونوں میاں بیوی کے درمیان کسی اور چیز پر زندگی میں کبھی اتفاق نہیں ہوا تھا مگر سعد کی بیوی ہر اس چیز پر جو اس کے شوہر کو ناگوار گزرتی تھی' صرف خاموش رہنا سیکھ گئی تھی۔۔۔ خاموشی اختیار نہ کرنے اور اختلاف رائے کرنے کا نتیجہ وہ شادی کے ابتدائی سالوں میں بہت بری طرح بھگت چکی تھی۔ اس نے اور سعد کے درمیان اتنے سال گزر جانے

کے باوجود اس قدر مذہبی ہم آہنگی کے باوجود محبت نہیں تھی لیکن اسّی فیصد پاکستانی جوڑوں کی طرح وہ اس کے بغیر بھی رشتہ تو چلاتے ہی آرہے تھے۔ اگر ایک دوسرے سے محبت نہ ہونے نے ان کے لیے ساتھ رہنا مشکل بنایا تھا تو اس مشکل کو آسان اس مشترکہ نفرت نے کردیا تھا جو وہ میاں بیوی ہر اس شخص سے کرتے تھے جو ان کی زندگیوں اور ذہنوں میں موجود اسلام کے تصور پر پورا نہیں اترتا تھا۔

وہ دونوں میاں بیوی اپنے خاندان اور حلقۂ احباب میں پسند نہیں کیے جاتے تھے حالانکہ ان دونوں کا خیال تھا کہ وہ دونوں بے حد خوش اخلاق اور سب کی ضرورت میں ان کی کام آنے والے تھے لیکن کہیں نہ کہیں اسلام کے اس کٹر تصور نے جو وہ دوسروں پر ٹھونسنا چاہتے تھے لوگوں کے لیے ان کو کسی نہ کسی حد تک ناقابل برداشت بنادیا تھا اور وہ اس ناپسندیدگی سے ناواقف نہیں تھے۔ لیکن ان کا خیال تھا بلکہ انہیں یقین تھا وہ نیکی کی بات پھیلانے والے ہیں اور اگر اس کی وجہ سے لوگ ان سے کٹتے ہیں تو اللہ انہیں اس کا اجر دے گا۔

احسن سعد نے ایک ایسے گھر میں پرورش پائی تھی جہاں پر اس کے ماں باپ نے اسے لوگوں کو اسی کسوٹی پر پرکھنا سکھایا تھا جن پر وہ خود دوسروں کو پرکھتے تھے۔ اس نے ماں باپ کے درمیان ہر طرح کا جھگڑا بچپن میں ہی دیکھ لیا تھا اور اس نے سیکھا تھا کہ شوہر اور بیوی کا تعلق ایسا ہی ہوتا ہے اور ہونا چاہیے... حاکم اور محکوم کا... برتر اور کمتر کا... کفیل اور مکفول کا... عزت اور احترام کا نہیں... پیار اور محبت کا بھی نہیں۔

مرد کی ساری عزت اور غیرت اس کے گھر کی عورت کے کردار اور عمل سے ڈوبتی ہے اس کے اپنے عمل اور کردار سے نہیں... ایک امریکن نیشنل اور وہاں سے اعلا تعلیم یافتہ باپ نے احسن سعد کو جو پہلا سبق پڑھایا تھا' وہ یہی تھا۔

احسن سعد کو کچھ چیزیں شدید ناپسند تھیں... ناپسندیدگی ایک چھوٹا لفظ تھا یہ کہنا زیادہ مناسب تھا کہ اسے کچھ چیزوں سے نفرت تھی اور ان چیزوں کی فہرست میں ماڈرن عورت اور امریکہ سرفہرست تھے۔ باپ کی طرح وہ دنیا میں تمام انتشار اور گناہ کی وجہ ان ہی دو کو قرار دیتا تھا۔

وہ ایک بے حد لبرل اسکول میں کوایجوکیشن میں اے لیولز کررہا تھا لیکن وہ وہاں اپنے ساتھ پڑھنے والی ہر اس لڑکی کو "آوارہ" سمجھتا تھا جو حجاب میں نہیں تھی۔ ماں باپ کی طرح وہ بھی یہی سمجھتا تھا کہ وہ سب لڑکیاں لڑکوں کو دعوت گناہ دیتی ہیں۔ جان بوجھ کر اپنی طرف راغب کرتی ہیں۔

اس کی اپنی دونوں بہنیں اس کے برعکس ——————— کوایجوکیشن سے نہیں پڑھیں تھیں مگر احسن سعد کو شروع سے ہی ایسے اسکولز میں پڑھایا جاتا رہا جہاں کوایجوکیشن تھی جہاں اس کا واسطہ ہر قسم کی لڑکیوں سے پڑتا تھا اور باپ کو اسے مثالی بنا کر پیش کرنے کے لیے یہ ایک اور مثال مل گئی تھی... اس کا بیٹا کوایجوکیشن میں پڑھنے کے باوجود گرل فرینڈ کے مفہوم سے بھی واقف نہیں تھا... یہ اس منافقت کی ایک اور جھلک تھی جو سعد کے اپنے اندر مذہب اور مذہب کی حدود کو نافذ کرنے کے حوالے سے تھی۔

احسن سعد اور اس کی دونوں بہنوں کی زندگی سماجی طور پر جتنی محدود کی جاسکتی تھی' سعد اور اس کی بیوی نے کر رکھی تھی... ان کی زندگی کی واحد "تفریح" پڑھنا تھا... واحد "خوشی" "اچھے گریڈز" لینا تھا۔ واحد "دلچسپی" "مذہبی کتابیں پڑھنا تھا۔ واحد مقصد "آخرت میں سرخروئی" تھی... واحد "ہابی" "والدین کی خدمت تھا"... اور اس سب میں وہ "دنیا" کو ایک لعنت کے طور پر سمجھتی تھیں اور ہر وہ چیز جو دنیا کی طرف کھینچتی تھی' وہ شیطانی تھی۔

وہ ایک پرفیکٹ dysfunational فیملی تھی جس میں ماں باپ نے اپنے خراب ازدواجی تعلق سے پیدا ہونے والے نقائص اور خامیوں کو مذہب کے کمبل سے اسے ڈھک کر اپنے آپ کو پاک کرلیا تھا... تاکہ کوئی ان کی عبادتوں' علم سے آگے بڑھ کر ان سے بات نہ کرسکے۔ ان کی ساری بشری کمزوریاں اور خامیاں نماز' روزوں اور

دوسری عبادتوں میں چھپ جائیں۔۔۔ سب سے خوف ناک بات یہ تھی کہ اس گھر میں رہنے والے کسی فرد کو یہ احساس ہی نہیں تھا کہ ان میں بہت سے نقائص تھے' ان میں سے ہر ایک اپنے آپ کو پرفیکٹ سمجھ رہا تھا۔۔۔ دوسروں کے لیے ایک رول ماڈل۔۔۔ اللہ سے قریب۔۔۔

احسن سعد بھی اپنے آپ کو کامل سمجھتا تھا۔ سب برائیوں سے مبرا۔۔۔ سب اچھائیوں کا منبع۔۔۔ اس پر اپنے باپ کی سوچ اور کردار کی گہری چھاپ تھی جو اس سے عشق کرتا تھا کیونکہ وہ اس کی واحد نرینہ اولاد تھی۔۔۔ احسن سعد نے باپ سے بہت کچھ وراثت میں لیا تھا۔ شکل و صورت' ذہانت' مزاج' عادات۔۔۔ لیکن جو سب سے بڑی چیز احسن سعد نے باپ سے لی تھی وہ منافقت تھی۔۔۔ اس کی پہچان نہ رکھتے ہوئے بھی۔۔۔ اسے ماڈرن عورت اور امریکہ سے نفرت تھی۔۔۔ وہ انہیں گناہ اور برائی کی جڑ سمجھتا تھا۔۔۔ اور وہ ایک ماڈرن عورت سے شادی کرنا چاہتا تھا جس کے پاس امریکن شہریت بھی ہو۔۔۔ اور وہ امریکہ میں اعلا تعلیم بھی حاصل کرنا چاہتا تھا۔۔۔ اس کا باپ ٹھیک کہتا تھا' احسن جس چیز کی بھی تمنا کرتا تھا۔ وہ اسے مل جاتی تھی۔۔۔ یہ دونوں چیزیں بھی اسے ملنے والی تھیں۔۔۔ اس کی خوش قسمتی ایک اور خاندان کی بد قسمتی میں بدلنے والی تھی۔

"تمہیں پتا ہے JB لڑکیاں تمہیں ہاٹ سمجھتی ہیں۔"

ایک لحہ کے لیے ڈنر ٹیبل پر خاموشی چھا گئی تھی' وہ ایسا ہی غیر متوقع جملہ تھا جو حمین نے پاستا کھاتے ہوئے اپنے تیرہ سالہ بڑے بھائی کے گوش گزار کیا تھا۔۔۔ امامہ' سالار' عنایہ' رئیسہ نے بیک وقت حمین کو دیکھا پھر جبریل کو جو سرخ ہوا تھا۔۔۔ وہ شرمندگی نہیں غصہ تھا جو حمین کے ان بے لاگ تبصروں پر اکثر آجاتا تھا۔

"وہ مجھے بھی کول کہتی ہیں لیکن تمہیں تو ماٹ سمجھتی ہیں۔ کس قدر افسوس کی بات ہے نا۔۔۔"

اس نے ماں باپ کی نظروں کی پروا کی تھی نہ ہی جبریل کے سرخ ہوتے چہرے کی۔۔۔ اس نے اپنے تبصرے کے بعد اپنی بات جاری رکھتے ہوئے لڑکیوں کی نظر میں اپنے اسٹیٹس پر افسوس کا اظہار بھی اسی سانس میں کیا تھا۔

"Will you please shut up"

("تم خاموش نہیں رہ سکتے؟") جبریل نے اس دفعہ کچھ سخت لہجے میں اسے روکنے کی کوشش کی۔ ماں باپ کی موجودگی کا لحاظ کرتے ہوئے اس نے اسے شٹ اپ کہنے کے بجائے ان دو لفظوں کو توڑ کر کے بلاواسطہ اسے ٹوکا۔

"Oh one more twister."

حمین نے یوں ظاہر کیا جیسے اس نے اسے کوئی بڑا ہی مشکل لفظ کہہ دیا تھا جس سے وہ واقف ہی نہیں تھا۔

"حمین۔" اس بار امامہ نے اسے تنبیہہ کی' وہ میٹر میں ہونے والی اس پارٹی کو بھگتا کے بیٹھی تھی۔ جو حمین نے اپنے کلاس فیلوز۔۔۔ کو دی تھی۔

"میں غلط نہیں کہہ رہا ممی۔۔۔" حمین نے اس کی تنبیہہ کو جیسے ہوا میں اڑایا اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "میری جاننے والی ہر لڑکی کا جبریل پر کرش ہے۔"

جبریل نے اس بار ہاتھ میں پکڑا ہوا کانٹا پلیٹ میں رکھ دیا پر یہ جیسے اس کے صبر کے پیمانے کے لبریز ہو جانے کی نشانی تھی۔

"یہاں تک میری گرل فرینڈز بھی۔۔۔"

"فرینڈز!" سالار نے ٹوکا۔

"جو بھی ہو۔۔۔" اس نے اسی انداز میں بات جاری رکھی۔ "مین یو آر سو لکی۔۔۔"

حمین نے اس بار جبریل کو رشک بھری نظروں سے دیکھا۔ امامہ اپنی بے انتہا کوشش کے باوجود اپنی ہنسی پر قابو نہیں پا سکی۔ اسے حمین کی گفتگو سے زیادہ جبریل کے ردعمل پر ہنسی آرہی تھی جس کی اب کان کی لوئیں تک سرخ ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ وہ ماں کے ہنسنے پر کچھ اور جزبز ہوا تھا۔

"تو تمہارا کیا خیال ہے کون سی چیز ہے جو اسے لڑکیوں میں پاپولر کرتی ہے؟" سالار نے صورت حال کو سنبھالنے کی کوشش کی اس نے بڑی سنجیدگی سے حمین سے یوں سوال کیا جیسے یہ کوئی بڑا فلسفیانہ سوال تھا۔

"میں اس بارے میں پہلے ہی سوچ چکا ہوں۔" حمین نے اپنے کانٹے کی نوک پاستا کے درمیان پھیرتے ہوئے سالار کے فلسفیانہ سوال کا اسی فلسفیانہ انداز میں جواب دینے کی کوشش کی۔

"اس کی بہت سی ریزن ہیں۔ لڑکیاں ان لڑکوں کو پسند نہیں کرتیں جو بہت بولتے ہیں اور JB بالکل بات نہیں کرتا۔"

"اور۔۔" سالار نے سلاد کا ایک ٹکڑا کھاتے ہوئے آگے بولنے کی ترغیب دی۔

"اور لڑکیاں ان لڑکوں کو پسند کرتی ہیں جو لیے دیے رہتے ہیں اور JB میں یہ بات بھی ہے۔"

اس نے اپنے بھائی کا تجزیہ کرنا شروع کر دیا تھا۔

"اور لڑکیوں کو وہ لڑکے اچھے لگتے ہیں جو ان کی کبھی نہ ختم ہونے والی باتیں سن سکتے ہوں اور JB سب کی باتیں سنتا ہے خواہ وہ کتنی ہی احمق ہوں۔۔۔"

اس بار سالار کو بھی ہنسی آئی جو اس نے گلا صاف کر کے چھپائی۔ عنایہ اور رئیسہ چپ چاپ کھانا کھاتے ہوئے حمین کے جملے سنتیں پھر جبریل کے تاثرات دیکھتیں' وہ بڑا بھائی تھا۔۔۔ یہ چھوٹا بھائی تھا اور وہ سمجھ نہیں پا رہی تھیں کہ وہ اس قابل اعتراض گفتگو میں حصہ کیسے لیں۔

"اور لڑکیاں ان لڑکوں کو پسند کرتی ہیں جو گڈ لکنگ ہوں۔" حمین اسی طرح روانی سے کہتے ہوئے اس بار اٹکا۔ "اور یہاں میرے اور JB کے درمیان موازنہ کیا جائے تو ہم دونوں ہر لحاظ سے یکساں گڈ لکنگ ہیں۔"

اس نے بات پھر گھمائی اس بار بالآخر جبریل نے اسے ٹوکا۔
"وہ تمہیں پتا ہے حمین! لڑکیاں ان لڑکوں کو پسند کرتی ہیں جو ایڈیٹ نہیں ہوتے۔" اس کا اشارہ حمین کی سمجھ گیا تھا۔

"ہاں' یہ اسی صورت ممکن ہے اگر لڑکیاں خود احمق نہ ہوں۔"

"بابا!" اس بار عنایہ نے سالار کو پکارا تھا۔ اور اس نے حمین کے تبصرے پر احتجاج کیا تھا۔

"تم ان دونوں لڑکیوں کے بارے میں کیا کہو گے؟" سالار نے بے حد سنجیدگی سے اس سے پوچھا۔

"تین کہیں بابا! آپ ممی کو لڑکیوں کی صف سے کیوں نکال رہے ہیں۔" حمین نے سوال کا جواب گول کیا اور بے حد معصومیت سے سالار سے پوچھا' وہ اسمارٹ نہیں تھا سپر اسمارٹ تھا... ہوشیار اور موقع شناس تھا... بات کہنا' بدلنا' سنبھالنا اس عمر میں بھی جانتا تھا۔

"حمین! بس کرو۔" امامہ نے اس بار اپنی ہنسی پر قابو پاتے ہوئے اس سے کہا۔ اس کی واقعی سمجھ میں نہیں آیا تھا' وہ اسے ڈانٹے یا اس کی باتوں پر ہنسے۔

وہ جو بھی کہہ رہا تھا۔ غلط نہیں تھا۔ جبریل تیرہ سال کی عمر میں بھی اپنے قد کاٹھ کی وجہ سے بڑا لگتا تھا۔ وہ حمین کی طرح زیادہ دبلا پتلا نہیں تھا۔ حمین ٹھیک کہہ رہا تھا کہ لڑکیاں اسے ہاٹ سمجھتی تھیں... جو ایک بات حمین نے لڑکیوں کے اسے پسند کرنے کی وجوہات میں نہیں گنوائی تھی۔ وہ اس کی خوب صورت آواز تھی۔ جو اب آہستہ آہستہ بھاری' مردانہ ہونے لگی تھی۔ اس کی آنکھیں سالار کی آنکھیں تھیں۔ بڑی' سیاہ اور بے حد گہری... وہ اسی کی طرح بے حد متحمل مزاج تھا... حمین کی طرح بے مقصد بولنے کی عادت نہیں تھی اسے... اور وہ اگر لڑکیوں میں مقبول تھا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ سب کے لیے ایک "پہیلی" تھا۔ حمین کی شخصیت "مقناطیسی" تھی۔ حمین کو اپنے چارم کا پتا تھا اور وہ اس کا صحیح وقت پر استعمال کرنا جانتا تھا جبریل اپنی کشش سے بے خبر تھا اور اسے اس کشش کو استعمال کرنے میں دلچسپی تھی بھی نہیں... لیکن دنیا میں اگر کوئی خاموشی اور متحمل مزاجی کے اس پہاڑ میں شگاف ڈال کر اسے برہم کر سکتا تھا تو وہ حمین تھا... JB کو تنگ کرنا اس کی زندگی کا دلچسپ اور پسندیدہ ترین کام تھا... وہ اسے بھائی کہنا ایک سال پہلے چھوڑ چکا تھا کیونکہ اس کا خیال تھا JB کہنا کول تھا بھائی کہنا کول نہیں تھا اور حمین کی زندگی کی ترجیحات میں سے ایک یہ تھی کہ وہ ہر چیز میں سے کول نیس نکالتا تھا۔

"بابا! جب میں اسپیلنگ بی جیت کر آؤں گی تو میں بھی اپنے سارے کلاس فیلوز کو بلاؤں گی۔"

رئیسہ نے اس گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے سالار کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ اس کا ذہن پچھلی شام سے اس ایک ٹرافی کے حصول میں اٹکا ہوا تھا جو اس گھر میں تین بار آچکی تھی اور اب اصولی طور پر اسے چوتھی بار لانے کی ذمہ داری اس کے کندھے پر خود بخود آتی تھی۔ وہ جبریل کے بعد اس گھر کی سب سے ذمہ دار اور بلکہ ضرورت سے زیادہ ذمہ دار بچی تھی۔ وہ جبریل کی طرح خود ہر کام کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر لینے کی کوشش کرتی تھی... اور پھر پوری لگن اور تن دہی سے اس کام کو کرنے میں مصروف ہو جاتی تھی... وہ ان تینوں کی طرح غیر معمولی ذہین نہیں تھی لیکن اب وہ ڈیڑھ سالہ چنی بھی نہیں رہی تھی جو گونگی نہ ہوتے ہوئے بھی بول ہی نہ پاتی۔

امامہ کے ساتھ ساتھ ان تینوں نے بھی کم ذہانت رکھنے والی رئیسہ کو ذہین بنانے کے لیے بہت محنت کی تھی... اور اب وہ' وہ کارنامہ انجام دینے کے لیے بے تاب تھی جو ان تینوں نے کیا تھا... نیشنل لیول کے اس مقابلے کو جیت کر چوتھی بار ٹرافی اس گھر میں لانے کا... اس ساری لائم لائٹ کا فوکس بننے کا جو اس نے اپنے بہن بھائیوں کو ان فتوحات کے بعد ملتے دیکھی تھی۔

رئیسہ سالار زندگی میں کوئی بڑا کام کرنا چاہتی تھی... اس بات سے بے خبر کہ اس کی قسمت میں "صرف" بڑے کام لکھے ہیں۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)